

اصل الاصول

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾

[النساء: ۵۹]

”پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے زیادہ اچھا ہے۔“

حقوق العباد اور عہد کی پابندی

عہد کی پابندی بھی حقوق العباد میں شامل ہے۔ عہد کی پابندی صفت الہی ہے۔ سورۃ الزمر میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا يَخْلِفُ اللَّهُ الْمِيثَاقَ﴾ [الزمر: ۲۰] ”اللہ وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔“

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بھی یہی چاہتا ہے کہ وہ عہد کو پورا کیا کریں، قرآن کریم کے کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اس کا تاکید حکم بھی دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا﴾ [بنی اسرائیل: ۳۴]

”اور وعدہ پورا کرو، بے شک وعدے کے متعلق سوال کیا جائے گا۔“ نبی کریم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں عہد کی پابندی کس طرح پوری کی، دنیا کے انسان اس کی مثال پیش نہیں کر سکتے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب کہ مسلمان اور کفار مکہ صلح کی شرائط طے کر رہے تھے، ابوجندل نامی ایک صحابی جنہیں مشرکین مکہ نے مسلمان ہونے کے سبب قید کر رکھا تھا اور طرح طرح کی اذیتیں دے رہے تھے، ان کے پاؤں میں بیڑیاں تھیں لیکن کسی نہ کسی طرح بھاگ کر آئے اور سب کے سامنے گر پڑے۔ مشرکین کی طرف سے سہیل بن عمرو کہنے لگا: معاہدہ صلح کی شرائط کے مطابق آپ ابوجندل کو اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتے۔ ابوجندل کو مشرکین مکہ نے اس قدر مارا تھا کہ ان کے جسم پر ضربوں کے نشانات موجود تھے۔ وہ مجمع کو اپنے زخم دکھلا رہے تھے اور کہہ رہے تھے: اے اصحاب محمد! میں اسلام لا چکا ہوں اور اس کی سزائیں مبتلا ہوں، کیا مجھے پھر کافروں کے حوالے کر دیا جائے گا؟

مسلمان اس منظر سے ٹپ اٹھے۔ ابوجندل سیدنا عمر فاروق اور دیگر چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فریاد کر رہے تھے اور سب کے دل جوش سے لبریز تھے۔ لیکن دوسری طرف معاہدے پر دستخط ہو چکے تھے۔ مسلمانوں کو ایفائے عہد کی ذمہ داری کا احساس تھا۔ ان حالات میں نبی کریم ﷺ نے ابوجندل رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور فرمایا: ابوجندل! صبر و ضبط سے کام لو، اللہ تمہارے اور دیگر مظلوموں کے لیے راستہ نکالے گا، صلح کا معاہدہ اب طے ہو چکا ہے، اس لیے ہم تم کو اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتے، کیونکہ اگر تم کو ساتھ لے جائیں گے تو یہ معاہدے کی خلاف ورزی اور بدعہدی ہوگی جسے ہم پسند نہیں کرتے، لہذا نبی کریم ﷺ اور آپ کے اطاعت شعار صحابہ کے سامنے ابوجندل رضی اللہ عنہ کو پابہ زنجیر واپس جانا پڑا۔

نبی کریم ﷺ کے ایفائے عہد کی خوبی کو دشمن بھی تسلیم کرتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

قیصر روم نے اپنے دربار میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے، جب کہ سیدنا ابوسفیان ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اسلام اور مسلمانوں کے شدید دشمن تھے، نبی کریم ﷺ کے متعلق بہت سی باتیں دریافت کیں۔ اُن میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ کیا محمد ﷺ عہد شکنی کرتے ہیں؟ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: وہ بدعہدی اور وعدہ خلافی نہیں کرتے۔ یہ سن کر قیصر روم نے کہا: تم نے درست کہا، اللہ کے رسول بدعہدی کے مرتکب نہیں ہوتے۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۷)

(حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ)

مسک احمد ریشکا داعی و ترجمان
مفتی اعظم
الاعنصل
لاہور

یکے از مطبوعات دارالدعوة السلفية

شماره 33 جلد 65

مجلس ادارت

- شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی
- مولانا محمد اسحاق بھٹی
- مولانا ارشاد الحق اثری
- ملک عصمت اللہ قلعوی
- حافظ حماد شاہر
- حماد الحق نعیم

مدیر مسئول

- حافظ احمد شاہر

مینجر

- محمد سلیم چنیوٹی 0333-4786507

کمپوزنگ

- رضا اللہ ساجد 0344-4656461

جواہر پارہ

3	(حافظ صلاح الدین یوسف)	اصل الاصول
5	(حافظ احمد شاہر)	حقوق العباد اور عہد کی پابندی
8	(مولانا ارشاد الحق اثری)	تفسیر سورۃ الصُّفّت..... (۱۷)
10	(ریاض عاقب اثری)	اربعین اعتقادی..... (۷)
12	(مولانا عبد الہادی علی)	توحید عبادت..... (۱)
17	(مولانا امجد الدین احمد قصوری)	اسلام اور جنسی مساوات
20	(عطاء محمد جمجمہ)	خلافت فی الارض جہاد سے قائم ہوگی
29	(مولانا محمد اسحاق)	امام مالک رحمہ اللہ..... (۲) آخری
32	(حافظ عبدالمنان نور پوری)	کن لوگوں کے اور کون سے اعمال مقبول ہیں
	(محمد سلیم چنیوٹی)	مجلد خاتم النبیین (ڈسک) کا خاص نمبر
	(تابش تجازی)	دعائے نیم شبی

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
 کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال سنگھ برانچ لاہور
 فون نمبر : 042-3735 4406
 فیکس نمبر : 042-37229802
 رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

فی ہرچہ : 12/- روپے
 سالانہ : 500/- روپے
 بیرونی ممالک سے : 200/- ریال
 60/- ڈالر امریکی

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

پرنٹر: پرنٹ یار ڈپرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاہر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

بنیاد

کم علمی کی بنیاد پر سمجھایا جاتا ہے کہ دین صرف حقوق اللہ کا نام ہے حالانکہ نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ اس کے بندے ہی نہیں دوسری مخلوق کے حقوق کے احکامات بھی ارشاد فرمائے ہیں۔

اسلام ایک دین ہی نہیں بلکہ ایک ایسا ضابطہ حیات بھی ہے جس میں نبی آخر الزماں محمد ﷺ نے حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد، والدین، اولاد، بہن بھائی دیگر عزیز واقارب، طلباء، یتامی، مساکین کے علاوہ پڑوسیوں..... چاہے وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں..... کے حقوق کی تعلیمات سے بھی امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو خصوصاً اور نسل انسانی کو عموماً نوازا ہے۔

ایسے ہی اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک سے زائد مقامات پر مسلمانوں کی دوتی کے اصولوں کی طرف بھی راہنمائی فرمائی۔ مسلمان حکومتوں اور حکمرانوں نے جب تک اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق دوستیاں رکھیں اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی رحمت و رافت نے مسلمان حکومتوں اور حکمرانوں کو ڈھانپنے رکھا اور جب تک اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے دشمنوں کو مسلمان حکومتوں اور حکمرانوں نے دشمن جانا تب تک وہ دشمن کی شرارتوں، سازشوں اور دسیسہ کاریوں سے محفوظ رہے۔ تاریخ اس کی شہادتوں سے بھری پڑی ہے۔

وطن عزیز کو ویسے تو اغیار نے شروع ہی سے نشانے پر رکھا ہوا ہے، جس کا تسلسل ابھی تک جاری ہے اور سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہمارے حکمرانوں نے دین کو پس پشت ڈال کر دنیا کی مفاداتی سیاست کے طرز حکمرانی کو حریز جان بنایا ہوا ہے اور یہ حکمران وقتی بلکہ اکثر ذاتی مفادات کی خاطر دوستیاں بناتے بڑھاتے اور پالتے رہے اور اب تک پال رہے ہیں۔ خصوصاً روس کی شکست و ریخت کے بعد دنیا میں جس نیو ورلڈ آرڈر کو جاری کیا گیا بلکہ ترقی پذیر ممالک پر مسلط کیا گیا اس ورلڈ آرڈر کے ذریعے اس نے کفر کے نہاں خانہ دماغ میں سے بغض مسلم کے چھپے سارے عزائم و ارادے ظاہر کر دیئے۔

اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے لیکن ۸۸ کے بعد قرآن و شواہد کے مطابق کبھی بالواسطہ اور کبھی بلاواسطہ امریکا اس بات کا بار بار اظہار کرتا رہا ہے کہ روس فتح کرنے کے بعد اس کا اصل ہدف اسلام اور مسلمان ہیں۔ یہ ہدف تو اس کا پہلے بھی تھا۔ ایران، عراق کی طویل اور بے مقصد جنگ..... جس میں ہزاروں مسلمان نوجوان کام آئے..... جب وہ بند ہوئی تو اس کو افغانستان کا میدان مل گیا۔ شکست روس کے بعد عراق کویت جنگ، کسووو میں اس کی خون ریزی، بوسنیا میں اس کی قتل و غارت پھر اس کے بعد اسامہ نامی ہیولے کی تلاش میں افغانستان پر اس کے میزائل حملے، پھر اس نے وطن عزیز کے شمالی علاقوں میں میزائل دہشت گردی اور خود کش حملوں کے ذریعے جو خون آشامی کی اس پر اقوام عالم کی تاریخ گواہ ہے۔ اس سارے کھیل کا المناک پہلو یہ ہے کہ صنم خانے کو کعبے سے پاساں ملتے رہے، یعنی دنیائے کفر کو مسلمانوں کے ٹوڈی خاندانوں اور عیش پرست حکمرانوں کے ذریعے حامی اور ورکر ملتے رہے۔ یہ بھی ایک بڑی حقیقت ہے کہ فرنٹ میں تو بے شک نصاریٰ..... یعنی عیسائی مملکت امریکا..... تھے لیکن اس کے پالیسی ساز..... Master Mind..... یہود تھے اور اس کے معاون خصوصی..... Special Helper..... ہنود تھے، امریکا بلکہ دنیائے کفر و احدا اسلامی ایٹمی ملک پاکستان کو بہ لطائف الحیل..... دسیسہ کاریوں اور سازشوں کے ذریعے..... کفر کے زیر نگیں کرنا چاہتا ہے اور وہ

پاکستان کا واحد کافر پڑوسی بھارت ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ذاتی مفادات کی رغبت دلا کر وطن عزیز کے حکمرانوں کے دل میں بھارت سے محبت اور پریت کا ایسا دیپ جلا دیا جائے جس کی لو بجھنے نہ پائے۔



میاں صاحب نے اپنے دوسرے دور حکومت میں بھی بھارت کے ساتھ جو روابط بڑھائے، پھول برسائے اور چھیاں ڈالیں۔ اس میں کچھ سیاسی کامیابیاں بھی ہوئی ہوں گی لیکن اپوزیشن اور یار لوگوں نے ان کے..... تھوڑے یا زیادہ..... تجارتی مفادات کو نمایاں (Highlight) کیا۔ نیز میاں صاحب کی بھارت سے والہانہ چاہت کی پالیسی کے خلاف جن سیاسی جماعتوں خصوصاً جماعت اسلامی کے احتجاجی جلوسوں کی پکڑ دھکڑ کی اور ان سے انتظامیہ نے حسب معمول جو ناروا سلوک کیا وہ بھی ریکارڈ میں محفوظ ہے۔ جس کو بہر صورت اس دور حکومت کا روشن باب نہیں کہا جاسکتا۔

ان کے بعد آنے والے نامشرف حاکم نے بھی بھارت کی طرف دامن دل بڑے جذبے سے وا کیا تھا لیکن زمانے نے دیکھا کہ۔

ہم ہیں بے تاب اور وہ ہیں بیزار یا الہی یہ ماجرا کیا ہے

والا معاملہ رہا۔ کیونکہ بٹنے کا بغل میں چھری رکھ کر منہ سے رام رام کہنا اس کی فطرت ہے لیکن وہ خود کسی پر اعتبار نہیں کرتا۔ ادھر ہمارے حکمران ہیں کہ بھارتی محبت کا جادوان کے سر چڑھ کر بول رہا ہے حالانکہ سقوط مشرقی پاکستان کے وقت اندرا کا یہ جملہ ”ہم نے دو قومی نظریے کو سمندر میں غرق کر دیا ہے“ تاریخ میں درج ہو چکا ہے۔ یہ جملہ اگر ہم کو یاد ہے یا تاریخ میں شامل ہو چکا ہے تو کیا وطن عزیز کے حکمرانوں، بیوروکریٹس، عساکر پاکستان اور سیاسی لیڈروں کو یاد نہیں ہوگا؟ ضرور یاد ہوگا لیکن بھارت کو خطے کا تھنڈا رہنا بنانے کا خواہش مند مافیا..... ہم جن کے باج گزار بن چکے ہیں..... دھن اور دھونس سے پاکستان کے حکمرانوں کو..... عوام اس بھرے میں نہیں آتے..... بھارت کے تھلے لگانا چاہتا ہے۔ نامشرف دور حکومت کی بھارت کے ساتھ خود سپردگی کی پالیسی تو جیسی ہوئی سو ہوئی لیکن اس کے بعد آنے والی حکومت بھی اپنے عرصہ اقتدار میں بھارت کو پسندیدہ ترین ملک قرار دینے کے لیے بڑی بے قرار رہی اور ہر قسم کے پاپڑ میلیتی رہی لیکن بفضلہ تعالیٰ افواج پاکستان، سیاستدانوں اور بیوروکریٹس میں درد رکھنے والے اصحاب دل کی موجودگی کے باعث سابقہ حکومت یہ ناروا قدم اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکی کہ وہ باخبر حلقے بھارتی سازشوں اور دسیسہ کاریوں سے بخوبی آگاہ ہیں جن کو عوام کے سامنے لانے سے امن وامان کی خاطر مصلحت کوشی آڑے آتی ہے۔ تازہ ترین حالات میں بھارت کے بارے میں میاں صاحب کے دل کا نرم گوشہ کبھی کبھار سامنے آتا ہے جو ہم سمجھتے ہیں کہ شاید عالمی سیاست کا تقاضا ہو یا پھر اقتدار کی راہداریوں کا لازمہ ہو۔

اسلام نے بفضلہ تعالیٰ اپنی تعلیمات میں دیگر انسانی حقوق کے ساتھ ساتھ پڑوسیوں کے حقوق سے بھی امت کی راہنمائی فرمائی ہے، اور کافر پڑوسیوں کے معاہدات کی تاریخ اور تعلیمات بھی کتب حدیث میں موجود ہیں۔ اس داستان سرائی کا عرض مدعا صرف یہ ہے کہ بھارت کے ساتھ برابری کی سطح پر اچھے پڑوسی کے تعلقات ضرور ہونے چاہئیں۔ ان سے معاہدات مدینہ منورہ میں آباد یہودی قبائل سے معاہدات کی روشنی میں کرنے کی ضرورت ہے اور مذاکرات میں وطن عزیز کے مفادات خصوصاً اس کی زمینی اور آبی دہشت گردی پر غیرت و حمیت کا اظہار ہونا چاہیے اور ”الکفر ملۃ واحده“ کا موٹو سامنے رکھتے ہوئے فیصلے کرنے میں ہنود کو بھی یہود و نصاریٰ کے برابر رکھنا چاہیے۔ مسلمان اچھا پڑوسی ہوتا ہے ہمیں اچھا پڑوسی بننا اور رہنا چاہیے لیکن کوئی کافر نہ مسلمان کا کبھی دوست ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔ ہماری اب تک کی ناکامیوں کے پیچھے ہماری یہی غلطی رہی کہ ہم کافروں کو دوست جانتے اور بناتے رہے۔ یہ بنیادی بات اب ہم کو تسلیم کر لینی چاہیے اور خارجہ پالیسی کو انہی بنیادوں پر استوار کرنا چاہیے۔

تفسیر سورۃ الصّٰفّٰت

مولانا ارشاد الحق اثری رحمہ اللہ

﴿فَإِذَا نَفَخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا

يَتَسَاءَلُونَ﴾ [المؤمنون: ۱۰۱]

”پھر جب صور میں پھونکا جائے گا تو اس دن ان کے درمیان نہ کوئی رشتے ہوں گے اور نہ وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔“

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے امام ابن جریر رحمہ اللہ سے اس کے دو جواب نقل کیے ہیں: ایک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا جواب کہ سوال کی نفی فقہ اولیٰ پر ہے اور باہم سوال کا ذکر فقہ ثانی کے بعد ہے۔

دوسرا جواب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ سوال کی نفی سے مراد ہے کہ قیامت کے روز اعلان ہوگا کہ یہ فلاں بن فلاں ہے اس سے اگر کسی نے کوئی حق لینا ہے تو آئے اپنا اس سے حق وصول کر لے، تب عورت چاہے گی کہ میرا حق باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاوند پر ہوتا (تو میں اس سے وصول کرتی جس سے مجھے فائدہ پہنچتا) اس وقت نہ نسب کا کوئی لحاظ پاس ہوگا نہ بیوی وہ اس سے سوال کرے گی۔

(الانسان: ۲۸/۲، النوع الثامن والاربعون)

یعنی میدانِ محشر میں ہول ناکي کودکھ کر حساب کتاب کے وقت کوئی کسی سے سوال نہیں کرے گا اسی مرحلے میں یہ کیفیت ہوگی:

﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۖ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۖ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۖ لِكُلِّ امْرَأٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ﴾ [عبس: ۳۷-۳۴]

”جس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا۔ اور اپنی ماں اور اپنے باپ (سے)۔ اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے۔ اس دن ان میں سے ہر شخص کی ایک ایسی حالت ہوگی جو اسے

﴿وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۖ قَالُوا

إِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ۖ قَالُوا بَلْ لَمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۖ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طَآغِينَ﴾ [الصّٰفّٰت: ۲۷-۳۰]

”اور ان کے بعض بعض کی طرف متوجہ ہوں گے، ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔ کہیں گے بے شک تم ہمارے پاس قسم کی راہ سے آتے تھے۔ وہ کہیں گے بلکہ تم ایمان والے نہ تھے۔ اور ہمارا تم پر کوئی غلبہ نہ تھا، بلکہ تم (خود) حد سے بڑھنے والے لوگ تھے۔“

جب مشرکوں کو جہنم کی طرف لے جاتے ہوئے پوچھا جائے گا کہ آج تم ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ دنیا میں تو تم نے آپس میں بڑی امیدیں لگا رکھی تھیں۔ مگر آج کوئی کسی کے کام نہیں آ رہا۔ تمہارے جھوٹے سہارے ٹوٹ چکے بلکہ آج تم سب ہمارے سامنے بے بسی کا اعتراف کر رہے ہو، جہنم کی طرف لے جاتے ہوئے کوئی اکڑ فون نہیں دکھا رہا۔ ندامت کے مارے اب یہ آپس میں تو ہٹکا کر ہیں گے۔

﴿يَتَسَاءَلُونَ﴾ چنانچہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔ ﴿يَتَسَاءَلُونَ﴾ کا مادہ ”سأل“ ہے تساؤل باب تفاعل کا مصدر ہے، چنانچہ ﴿يَتَسَاءَلُونَ﴾ کا معنی ہے: وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔

یہاں ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ اس آیت میں باہم ایک دوسرے سے سوال کرنے کا ذکر ہے مگر سورۃ المؤمن میں سوال نہ کرنے کا ذکر ہے:

(دوسروں سے) بے پروا بنادے گی۔“

بھاگنے کا سبب یہ خوف ہو سکتا ہے کہ کہیں وہ مجھ سے اپنے کسی حق کا مطالبہ نہ کر لے اور یہ اندیشہ بھی کہ کہیں وہ مجھ سے کوئی نیکی طلب نہ کر لے۔ ہر ایک نفسی نفسی پکارے گا۔ حتیٰ کہ اولو العزم انبیائے کرام بھی کہیں گے:

”لا أَسْأَلُ الْيَوْمَ إِلَّا نَفْسِي.“

”آج میں اپنے نفس ہی کا سوال کرتا ہوں۔“

﴿وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ۝ يُبْصِرُونََّهُمْ﴾

[المعارف: ۱۰، ۱۱]

”اور کوئی دلی دوست کسی دلی دوست کو نہیں پوچھے گا۔

حالانکہ وہ انھیں دکھائے جا رہے ہوں گے۔“

اور اس آیت میں جو باہم سوال کا ذکر ہے وہ محاسبے کے بعد جہنم کی طرف لے جاتے ہوئے محاصمت کی صورت میں ہوگا کہ تم نے ہمیں دھوکا دیا اور پھنسایا ہے۔ دوسرے کہیں گے تم نے ہماری بات کیوں مانی، انکار کر دیتے۔

﴿عَنِ الْيَمِينِ﴾ عوام اپنے لیڈروں سے، مرید اپنے جھوٹے پیروں سے، مشرکین اپنے شیطان ساتھیوں سے کہیں گے کہ یہ ساری شامت تمھاری وجہ سے ہے، تم ہی ہمارے پاس ”یمین“ کی راہ سے آتے تھے۔ ”یمین“ کے مختلف مفہوم ہیں:

۱: یمین بمعنی قسم، یعنی تم قسمیں کھا کھا کے ہمیں یقین دلاتے تھے کہ ہم تمھارے خیر خواہ ہیں جو ہم کہتے ہیں یہی صحیح ہے۔ اہل عرب اپنے عہد و پیمان کو پختہ کرنے اور قسم کو مضبوط بنانے کے لیے اپنا ہاتھ مخاطب کے دائیں ہاتھ پر مارتے تھے۔ اسی سے یہ قسم کے لیے استعمال ہونے لگا۔ شیطان نے بھی حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو قسمیں کھا کے دھوکا دیا:

﴿وَقَاسَھُمَا اِنِّیْ لَکُمَا لَوْنٌ النَّصِیْحِیْنَ ۝﴾

[الاعراف: ۲۱]

”اور اس نے دونوں سے قسم کھا کر کہا کہ بے شک میں تم

دونوں کے لیے یقیناً خیر خواہوں سے ہوں۔“

۲: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت میں ”یمین“ سے مراد قوت و سطوت لیتے ہیں کہ تم ہمیں بڑے مضبوط طریقوں سے دھوکا دیتے تھے۔ (قرطبی)

یعنی ہم کمزور تھے اور تم غالب اور طاقت والے تھے۔ یوں تم اپنے مختلف ہتھکنڈوں سے ہمیں گمراہی کی طرف لے جاتے تھے اور ہمارے لیے سازشوں کے جال بنتے تھے۔

دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ سے قوت میں زیادہ ہوتا ہے اور کسی چیز کو مضبوطی سے دائیں ہاتھ سے ہی پکڑا جاتا ہے۔ یمین دائیں ہاتھ یا دائیں جانب کو اور یسار بائیں ہاتھ یا بائیں جانب کو کہتے ہیں۔ علامہ ابن جریر نے اسی معنی کی تائید میں عرب شاعر کا یہ شعر نقل کیا ہے۔

اذا ما رایة رفعت لمجد

تلقاها عرابا بالیمین

”جس کسی کی بزرگی کا جھنڈا بلند کیا جاتا ہے تو اس سے عرابیہ

قوت سے مقابلہ کرتا ہے۔“

اس آیت کا یہی معنی اہل لغت نے بھی بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: لسان العرب (۳۵۳/۱)، تاج العروس (۳۷۱/۹) اور اس کی تائید قرآن مجید میں سورہ سبأ (آیت: ۳۲، ۳۱) سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ ذکر ہے کہ قیامت کے روز کمزور اور زیر دست لوگ اپنے لیڈروں اور آقاؤں سے کہیں گے کہ تم نے ہمیں مروادیا:

﴿وَلَوْ تَرَىٰ اِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِنْدَ رَبِّھُمْ یَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ نِّ الْقَوْلِ یَقُولُ الَّذِیْنَ اسْتَضَعُّوْا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْ لَا اَنْتُمْ لَکُنَّا مُؤْمِنِیْنَ ۝ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتَضَعُّوْا اَنْحُنْ صَدَدْنٰکُمْ عَنِ الْھُدٰی بَعْدَ اِذْ جَآءَکُمْ بَلْ کُنْتُمْ مُّجْرِمِیْنَ ۝ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَضَعُّوْا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الْیْلِ وَ النَّھَارِ اِذْ تَأْمُرُوْنَنَا اَنْ نَّکْفُرَ بِاللّٰهِ وَ نَجْعَلَ لَہٗ

أَنذَادًا وَآسَرُوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ وَجَعَلْنَا
الْأَغْلَلَ فِي غُتْنَتِ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا
كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٣١﴾ [سباء: ٣١، ٣٣]

”اور کاش! تُو دیکھے جب یہ ظالم اپنے رب کے پاس
کھڑے کیے ہوئے ہوں گے، ان میں سے ایک دوسرے
کی بات رد کر رہا ہوگا، جو لوگ کمزور سمجھے گئے تھے ان لوگوں
سے جو بڑے بنے تھے، کہہ رہے ہوں گے: اگر تم نہ ہوتے تو
ہم ضرور ایمان لانے والے ہوتے۔ وہ لوگ جو بڑے بنے
تھے، ان لوگوں سے جو کمزور سمجھے گئے، کہیں گے: کیا ہم نے
تمہیں ہدایت سے روکا تھا، اس کے بعد کہ وہ تمہارے پاس
آئی؟ بلکہ تم مجرم تھے۔ اور وہ لوگ جو کمزور سمجھے گئے ان
لوگوں سے جو بڑے بنے تھے، کہیں گے: بلکہ (تمہاری)
رات اور دن کی چال بازی نے (ہمیں روکا) جب تم ہمیں
حکم دیا کرتے تھے کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور اس کے
لیے شریک ٹھہرائیں۔ اور وہ ندامت کو چھپائیں گے جب
عذاب دیکھیں گے اور ہم ان لوگوں کی گردنوں میں جنھوں
نے کفر کیا، طوق ڈال دیں گے۔ انھیں بدلہ نہیں دیا جائے گا
مگر اسی کا جو وہ کیا کرتے تھے۔“

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ لیڈر اپنی چودھراہٹ کے بل
بوتے پر اپنے زیر دستوں کو گمراہ کرتے تھے۔

۳: امام مجاہد فرماتے ہیں: عن الیمین سے مراد جانب حق ہے کہ تم
ہمیں جانب حق و ایمان سے روکتے تھے۔ اہل ایمان کو اصحاب
الیمین بھی کہا گیا ہے۔ اس آیت کا یہی معنی علامہ راغب نے
مفردات میں بیان کیا ہے۔

امام حسن بصری وغیرہ نے فرمایا ہے کہ یہاں مراد امور خیر اور عمل
صالح ہے۔ کیونکہ نیک اور اچھے کام دائیں ہاتھ سے سرانجام دیے
جاتے ہیں اور نامبارک کام بائیں ہاتھ سے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا
فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جوتا پہننے، کنگھی کرنے، وضو کرنے اور

تمام (اچھے) کاموں میں دائیں جانب پسند تھی۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۱۶۸)

اسی طرح کھانے پینے میں، مسجد میں داخل ہونے، لباس پہننے،
نیند کے وقت اور جب کسی کو کوئی چیز دیتے تو دائیں جانب کو مقدم
رکھتے تھے۔ اور اس موضوع کی احادیث معروف ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ہمیشہ سے دین کا یہ اصول ہے کہ
تمام تکریم و تزیین کے کام دائیں جانب سے سرانجام دیے جائیں۔

(فتح الباری: ۱/۲۷۰)

انسان کا نامہ اعمال لکھنے والے فرشتوں میں نیکیاں لکھنے والا بھی
دائیں جانب ہوتا ہے اور محسنین کو نامہ اعمال بھی دائیں ہاتھ میں دیا
جائے گا۔ اس لیے ”عن الیمین“ سے بطور استعارہ حسنات
وطاعات مراد ہیں کہ تم ہمیں حسنات سے روکتے تھے سب سے بڑی
نیکی ایمان ہے۔ اس لیے ایمان و حسنات سے روکنا مراد ہے۔

ضروری اعلان

ہفت روزہ ”الاعتصام“ لاہور میں مضامین ارسال کرنے والے
خواتین و حضرات درج ذیل باتوں کا ضرور خیال فرمایا کریں:

- مضمون کاغذ کی ایک طرف لکھا ہو، صاف ستھرا اور حاشیہ چھوڑ کر لکھیں۔
- مضمون مدلل، باحوالہ، آیت، حدیث اور کتب کے نام و صفحہ نمبر
مکمل تحریر فرمائیں۔

- جلسوں، کانفرنسوں کے اشتہارات یا اعلانات بھیجنے والے احباب
اس کا اعلان جلسہ یا کانفرنس کے انعقاد سے پندرہ دن پہلے
ارسال کر دیا کریں، نیز ان جلسوں یا تقاریب کی رپورٹ وغیرہ
شائع کرنے سے ادارہ قاصر ہے۔

- مضمون ارسال کرنے والے شائع ہونے کے لیے اپنی باری کا
انتظار کیا کریں نیز غیر معیاری مضامین کی اشاعت سے اداہ
معذرت خواہ ہے۔ امید ہے قارئین دفتر الاعتصام سے تعاون
کریں گے۔ (منیجر)

اربعین اعتقادی

ترجمہ و فوائد
حافظ
ریاض فتاح
ابڑی

۸

فرائد الفوائد في جمع الأربعين من أحاديث العقائد

توحید الوہیت کی پہچان:

فرمان الہی ہے:

”تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ بہت رحم کرنے والا اور بڑا مہربان ہے۔“

اور فرمان ربانی ہے:

”اور آپ سے پہلے جتنے رسول بھی ہم نے بھیجے، ان کی طرف یہی ہم نے وحی نازل فرمائی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔“

اور رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

”بے شک تُو اہل کتاب کی قوم کی طرف جا رہا ہے ان کو پہلی دعوت یہ دینی ہے کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں۔“

۷: سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے گدھے پر سوار تھا، میرے اور آپ ﷺ کے درمیان صرف پلان کی لکڑی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے معاذ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے اور بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں۔ بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہے کہ اس کے ساتھ جو شرک نہ کرے تو اسے جہنم کا عذاب نہ

باب: معرفۃ توحید الألوهیۃ، و قول اللہ تعالیٰ:

﴿وَالْهَكْمُ إِلَهٌُ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ

الرَّحِيمُ﴾ [البقرة: ۱۶۳]

وقوله تعالیٰ:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ

أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾ [الأنبياء: ۲۰]

وقال رسول الله ﷺ لمعاذ بن جبل حين

بعثه إلى اليمن: ((إنك تأتي قومًا من أهل

الكتاب، فادعهم إلى شهادة أن لا إله إلا

الله وأنى رسول الله.))

(صحيح بخاري، رقم الحديث: ۱۴۹۶)

۷: عن معاذ رضى الله عنه قال: كنت ردف

النبي ﷺ على حمار ليس بيني وبينه إلا

مؤخرة الرحل فقال: ((يا معاذ! هل تدري ما

حق الله على عباده وما حق العباد على

الله؟)) قلت: الله ورسوله أعلم، قال:

((فإن حق الله على العباد أن يعبدوه ولا

يشركوا به شيئاً وحق العباد على الله أن لا

يعذب من لا يشرك به شيئاً)) فقلت: يا

رسول الله ﷺ! أفلا أبشر به الناس؟ قال:

((لا تبشرهم فيتكلوا.))

(صحيح بخاري، رقم الحديث: ۲۸۵۶)

- ۸: معلم انسانیت محمد ﷺ اپنی امت کی تعلیم و تربیت کے بڑے خواہاں تھے۔
- ۹: حقوق اللہ میں اولین حق عبادت الہی اور شرک سے اجتناب ہے۔
- ۱۰: حقوق اللہ کی معرفت انتہائی ضروری ہے۔ جس کا اہتمام رسول اللہ ﷺ نے سفر میں بھی کیا۔ حقوق اللہ کی ادائیگی سے ہی بندوں کو اپنے حقوق ملیں گے۔
- ۱۱: عذاب الہی سے بچاؤ کی واحد صورت عبادت الہی اور شرک سے دوری ہے۔
- ۱۲: کسی خاص مصلحت کی وجہ سے اگر کوئی مسئلہ کسی وقت نہ بتایا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔
- ۱۳: بلا عمل، صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ کرنا مسلمانوں کے لیے جائز نہیں۔
- ۱۴: جس چیز کے متعلق علم نہ ہو اس کے بارے میں اپنی لاعلمی کا اظہار کرنا چاہیے۔
- ۱۵: تدریس میں اسلوب استفہام کو اپنانا بہت مفید ہے اس سے مخاطب متوجہ ہو جاتا ہے۔
- ۱۶: سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی فضیلت و شرف کا اظہار ہے کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیچھے بیٹھنے کا شرف بخشا اور آپ کو درس توحید دیا۔

- دے۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں لوگوں کو اس کی خوش خبری نہ سنا دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو ان کو خوش خبری نہ دینا کیونکہ وہ اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے۔“
- فوائد:**
- ۱: معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔
- ۲: تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت توحید الوہیت پر مبنی تھی۔ اس سے توحید الوہیت کی اہمیت اُجاگر ہوتی ہے۔ توحید الوہیت کا مطلب یہ ہے کہ تمام اقسام کی عبادات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں اور وہی تمام عبادات کا مستحق ہے۔
- ۳: غیر مسلموں کے لیے دعوت کا آغاز توحید الوہیت سے کرنا چاہیے۔
- ۴: اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو بھی دعوت دینا لازمی ہے۔ اس سے تصور وحدت ادیان پاش پاش ہو جاتا ہے۔
- ۵: توحید کے ساتھ ساتھ رسالت محمدیہ کا اقرار بھی ضروری ہے۔
- ۶: رسول اللہ ﷺ کی تواضع و انکساری کا اظہار ہے کہ آپ ﷺ معمولی سواری پر سوار ہونا معیوب نہیں سمجھتے تھے اور اپنے ساتھیوں کو اپنے ساتھ بٹھالیا کرتے تھے۔
- ۷: دوران سفر بھی سلسلہ تعلیم جاری رکھنا چاہیے۔

مولانا نصیر احمد عثمانی وفات پا گئے

مولانا نصیر احمد عثمانی (خطیب مغل پورہ، لاہور) ۱۵ اگست ۲۰۱۳ء بروز جمعرات و جمعہ کی درمیانی رات وفات پا گئے، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف نوجوان خطیب، متحرک اور فعال جماعتی و تبلیغی جذبے سے سرشار تھے۔ ۳۵ یا ۳۶ برس کی عمر میں انھوں نے تین منزلہ مسجد اہل حدیث تعمیر کرائی۔ اس کے بعد وسیع و عریض پلاٹ ۷۰ لاکھ کی قیمت میں خریدا اور اس کی تعمیر کر کے مدرسہ و مسجد کے لیے کوشاں تھے۔ طبیعت زیادہ خراب نہ تھی بالکل اچھے بھلے تھے کہ باتیں کرتے کرتے ان کا بلڈ پریشر ہائی ہوا۔ ڈاکٹر کے پاس لے جائے گئے۔ رات کو دوبارہ تکلیف بڑھی اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔ موصوف اپنے علاقے میں تبلیغ مسلک اہل حدیث کے حوالے سے بڑے بڑے علمائے کرام کے پروگرام رکھا کرتے تھے اور قرآن و حدیث کی خالص تعلیمات سے عوام الناس کے اذہان کو روشن کیا کرتے تھے۔ ان کی نمازہ جنازہ ۱۶ اگست ۲۰۱۳ء بروز جمعہ المبارک کو صبح پڑھائی گئی۔ ہزاروں احباب و علمائے کرام نے ان کے جنازے میں شرکت کی۔ موصوف کے چھوٹے چھوٹے بچے اور بیوہ سوگواروں میں شامل ہیں۔ اللہ کریم انھیں کروٹ کروٹ جنت الفردوس نصیب کرے، آمین۔ (محمد سلیم چنیوٹی)

توحید عبادت

مسلمانوں کا امتیازی نشان

مولانا عبدالرقيب سلفی

ہے۔ تمام بھلائیوں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ کوئی دوسرا اس پر قادر نہیں ہے۔ اس توحید پر ایمان لانے کے باوجود کوئی آدمی دائرۃ اسلام کے اندر داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے ساتھ ساتھ توحید عبادت والوہیت پر ایمان نہ لائے اور اس کے تقاضے کے مطابق اس پر عمل درآمد نہ کرے۔ اور یہی وجہ ہے کہ مشرکین عرب توحید ربوبیت پر ایمان و اعتقاد کے باوجود دائرۃ اسلام سے خارج ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کے ساتھ خالص کافر و مشرک کا معاملہ کیا گیا۔ مشرکین عرب توحید ربوبیت کے قائل تھے۔ اس کی شہادت قرآن میں متعدد مقامات پر موجود ہے اور جاہلی دور کے شعراء کے کلام میں بھی اس کی شہادت موجود ہے:

﴿قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝﴾ [یونس: ۳۱]

”اے نبی! آپ ان مشرکین سے پوچھیے کہ کون تم لوگوں کو آسمان وزمین سے روزی دیتا ہے۔ کون آنکھ اور کان کا مالک ہے، کون مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے۔ کون معاملے کی تدبیر کرتا ہے، تو یہ لوگ جواب دیں گے کہ اللہ، پھر آپ ان سے کہیے تب کیوں تم لوگ اس سے نہیں ڈرتے ہو؟“

﴿وَلَيْسُنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾

[الزخرف: ۸۷]

توحید کا لغوی معنی ایک ماننا ہے، شریعت کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کو اُس کی ذات، صفات، افعال، اعمال، ملکیت اور استحقاق عبادت و ریاضت کے اندر ایک تسلیم کرنے کا نام توحید ہے۔

علمائے توحید نے عام طور پر توحید کی درج ذیل تین قسمیں بیان کی ہیں:

۱: توحید ربوبیت۔ ۲: توحید اسماء و صفات۔

۳: توحید عبادت

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے توحید کی درج ذیل دو قسمیں قرار دی ہیں:

۱: توحید معرفت و اثبات۔ ۲: توحید طلب و فصد۔

توحید کی دو یا تین اقسام ہونے سے اصل مقصود پر کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لیے کہ توحید کی نیچے کی دونوں قسمیں، اوپر کی تینوں قسموں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔ کیونکہ توحید معرفت و اثبات کا ہی اطلاق توحید ربوبیت اور توحید اسماء و صفات پر ہوتا ہے اور توحید فی القصد و الطلب کا دوسرا نام توحید عبادت ہے۔

توحید ربوبیت:

اس بات کے اقرار و اعتراف پر مشتمل ہے کہ کائنات کی ہر چیز کا خالق، مالک، رازق اللہ ہے۔ موت و حیات اسی کے ہاتھ میں ہے، نفع و نقصان اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ پریشان حال کی پریشانی وہی دور کرتا ہے، مضطر کی دعائیں وہی سنتا اور قبول کرتا ہے۔ تمام امور کی تدبیر اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہی بلاشبہ بلا شرک غیرے دنیا کے تمام حوادث و وقائع کو حدود و قووع بخشتا ہے۔ ہر چیز اسی کے تابع فرمان ہے اور اسی کا حکم کائنات کے ذرے ذرے کے اندر جاری

جیسے حج، صدقہ، ذبح، نذر، دعا بوقت اضطراب وغیرہ اللہ کے لیے مخصوص مانتے تھے اور امکانی حد تک اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے، جس کی وجہ سے وہ دین براہمی پر ہونے کے دعوے دار تھے۔ اور اس کی تردید قرآن نے اس آیت میں کی ہے:

﴿مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ٥﴾

[آل عمران: ٦٧]

”ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی، نہ مشرک بلکہ وہ موحد مسلمان تھے۔“

ان مشرکین عرب میں کچھ لوگ حشر و نشر اور یومِ حساب کے قائل تھے اور تقدیر پر ان کا ایمان تھا، جیسا کہ زہیر نے کہا ہے۔

یوخر فیوضع فی کتاب فیدخر

لیوم الحساب او یعجل فینقم

”اگر وہ تاخیر سے کام لے گا تو کتاب میں لکھ کر حساب کے دن کے لیے جمع کر دے گا یا جلدی کرے گا تو سزا دے گا۔“

یا عبل این من المیتیة مهر

إن کان ربی فی السماء قضاها

”اے عمل! اگر میرا رب آسمان پر موت کا فیصلہ کر چکا ہے تو پھر موت سے جائے فرار کہاں ہے۔“

اس کی مزید مثالیں جاہلی دور کے شعراء کے کلام میں موجود ہیں جو اللہ کے وجود کے ثبوت اور اس پر ان کے عقیدہ کی گواہ ہیں۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے، ان کا خون بہانا، عورتوں کو لونڈی بنانا، بچیوں کو گرفتار کرنا اور ان کے اموال و املاک پر تصرف جائز قرار دیا ہے۔ یہ ایک لمحہ فکر یہ ہے جو دنیا کے ہر صاحب عقل و ہوش انسان سے غور و فکر کا مطالبہ کرتا ہے۔ جس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں تھی کہ وہ لوگ توحید عبادت کے اندر جو ”لا إله إلا الله“ کا مطلوب ہے شرک کرتے تھے۔ (باقی آئندہ)

”اگر آپ ان لوگوں سے پوچھیں گے کہ کس نے ان کو پیدا کیا ہے تو جواب دیں گے اللہ نے۔“

﴿وَلَيْسَ سَأَلَتْهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لِيَقُولَنَّ اللَّهُ﴾

[العنکبوت: ٦٣]

”اگر آپ ان سے پوچھیں گے کہ کون آسمان سے پانی برساتا ہے اور زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندگی کی توانائی بخشتا ہے تو وہ لوگ ضرور جواب دیں گے کہ اللہ۔“

﴿أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ طَعَّ إِلَهُ مَعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ٥﴾ [النمل: ٦٢]

”کون مضطر پریشان حال کی دعا قبول کرتا ہے، مصیبت دور کرتا ہے اور تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے۔ بات ایسی نہیں ہے مگر تم لوگ سمجھ نہیں رہے ہو۔“

مشرکین عرب کو یہ باتیں اچھی طرح معلوم تھیں کہ ان ساری چیزوں پر ملکیت صرف اور صرف اللہ کی ہے۔ کوئی دوسری ہستی عالم وجود میں ایسی نہیں جو ان کاموں کو انجام دے سکے اور اس پر ان کا ایمان و عقیدہ بھی تھا مگر وہ مسلمان نہیں تھے، بلکہ مشرک تھے جس کی کیفیت کو خود اللہ تعالیٰ نے سورہ یوسف میں بایں الفاظ بیان کیا ہے:

﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُونَ ٥﴾

[یوسف: ١٠٦]

”ان کی اکثریت اللہ کی ذات پر ایمان کے باوجود مشرک ہے۔“

مجاہد نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ان کے ایمان کا مطلب یہ بتایا ہے کہ وہ لوگ اس بات کے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو پیدا کیا ہے، وہی روزی دیتا ہے، وہی مردہ کرتا ہے اور اس ایمان کے ساتھ ساتھ وہ اللہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے تھے۔ توحید ربوبیت کے اقرار کے ساتھ وہ عبادت کی کچھ مخصوص قسمیں

اسلام اور جنسی مساوات

مولانا محی الدین احمد قصوری رحمہ اللہ

تو وہ جھٹ ان اوامروا رشادات کی تکذیب پر اتر آتے ہیں۔ اس طبقہ میں عورتیں مردوں سے گونے سبقت لے جاتی ہیں اور ایسی چیزوں کی تکذیب و ابطال کو وہ جہاد اکبر اور عظیم جنسی خدمت یقین کرتی ہیں۔

فتنے کا اصلی سرچشمہ:

اس امر کے اظہار کی ضرورت نہیں کہ اس فتنے کا اصلی سرچشمہ ”یورپ“ ہے۔ یورپ میں صدیوں تک عورت سخت مظلوم رہی۔ ہندوؤں کی طرح وہ ہر قسم کے حقوق سے محروم تھی۔ ان کے نزدیک اس کی تخلیق ہی اس لیے ہوئی تھی کہ وہ مردوں کے جذبات حیوانیہ اور خواہشات سفلی کو پورا کرے۔ ایک مدت تک یورپ میں یہ اعتقاد رہا کہ عورت روح سے عاری ہوتی ہے ہزاروں عورتیں جرائم کا منبع سمجھ کر جلادی گئیں۔ اس کے بعد جب یورپ میں احیائے علوم کا دور آیا جس میں سب سے زیادہ اسلام اور مسلمان حکومتوں کا حصہ ہے، تو عورت کو ان مظالم سے نجات ملی اور پھر اس چیز کا رد عمل شروع ہوا جس کے نتیجے کے طور پر یہ خیال پیدا ہوا کہ عورت ہر لحاظ سے مرد کے برابر ہے اور کسی پہلو میں بھی کم نہیں۔

یورپ کا یہ خیال بھی علم کی مزید ترقی اور حقائق کے انکشاف کے ساتھ بدلا، حتیٰ کہ وہ اپنے اس خیال و اعتقاد سے رجعت قہری کر رہا ہے اور وہ عورت کو اس آزادی پر جو اس غیر فطری عقیدہ کا لازمی نتیجہ ہے، متالم و متاسف ہے لیکن اب تیرکمان سے نکل چکا ہے اور وہ کسی صورت بھی واپس نہیں آ سکتا۔

ہمارا یہ ریشٹل یا الٹرا ریشٹل طبقہ جو یوں پوری آزادی فکر کا مدعی ہے لیکن ابھی تک یورپ کی ذہنی غلامی سے نجات حاصل نہیں کر سکا۔ اب اس چیز کو لے رہا ہے جو یورپ اپنے سال ہا سال کے تجربے کے

ہر زمانے کی جہاں مخصوص محاسن و برکات ہوتی ہیں، وہاں کچھ نہ کچھ گمراہیاں اور ضلالتیں بھی ہوتی ہیں۔ ہمارے زمانے کی بعض نہایت نمایاں اور مشہور ضلالتوں میں سے ایک بڑی ضلالت ”جنسی مساوات“ کا اعتقاد ہے، یعنی یہ کہ عورت و مرد ہر لحاظ سے مساوی ہیں۔ عورت کسی پہلو سے، کسی حیثیت سے بھی مرد سے کسی درجہ کم تر نہیں اور یہ کہ آج کی عملی دنیا میں کوئی ایسا کام نہیں جو عورت اسی خوش اسلوبی اور اسی عمدگی سے سرانجام نہ دے سکے، جس خوبی سے مرد سر انجام دے سکتا ہے۔

جزوی و کلی:

اگر یہ دعویٰ جزوی طور پر کیا جاتا تو غالباً اس کے تسلیم کرنے سے کسی صاحب ہوش و خرد کو انکار نہ ہوتا۔ نہ صرف یہ بلکہ جزوی طور پر اس امر سے بھی انکار کرنا عقل و دانش کو ٹھکرانا ہے کہ جزوی طور پر عورت کو مرد پر فضیلت بھی حاصل ہے، مثلاً: امور شرعی کا اہتمام و انصرام، اولاد اطفال کی تربیت، نرسنگ وغیرہ۔ لیکن فرط جوش میں جب اس دعوے کو عمومیت تا مدے دی جاتی ہے تو ضروری ہو جاتا ہے کہ اس دعوے کا تجزیہ کیا جائے اور دیکھا جائے کہ حقیقت حال کیا ہے۔

ہمارے زمانے کا ریشٹل طبقہ:

ہمارے زمانے کا جدید تعلیم یافتہ بیشتر طبقہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ عورت اور مرد ہر لحاظ سے برابر ہیں۔ ان میں کسی قسم کی تفریق کرنا ایام جاہلیت کا ترکہ ہے۔ اس لحاظ سے وہ یہاں تک بے باک ہو جاتے ہیں کہ انھیں اگر قرآن و حدیث میں ایسے ارشادات نظر آجائیں جن میں انھیں مرد کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک یا عورت کے ساتھ سوتیلی ماں کا سا سلوک نظر آتا ہو، اور جس کو ان کا ذہن و دماغ قبول نہ کر سکے

بعد چھوڑنا چاہتا ہے لیکن اب وہ ”کبل مجھے نہیں چھوڑتا“ کا مصداق بن رہا ہے۔

اس مسئلے کا دو طرح پر جائزہ لیا جاسکتا ہے: ایک سائنٹیفک طریق، دوسرا خالص کتاب و سنت یا اسلام کے زاویہ نگاہ سے۔ اس وقت چونکہ ہمارا مخاطب وہ طبقہ ہے جو دیانت داری سے یہ سمجھتا ہے کہ اسلام کامل جنسی مساوات کا علم بردار ہے۔ اس لیے ہم بھی خالص اسلامی زاویہ نگاہ سے اس اہم مسئلے کا جائزہ لیں گے۔ اور سائنٹیفک طریق پر بحث کسی دوسری فرصت پر اٹھار کھتے ہیں۔

بالعموم مرد و عورت کی مساوات کی بنیاد سورہ نساء کی اوّلین آیت پر رکھی جاتی ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ [النساء: ۱]

”اے افراد نسل انسانی! اپنے پروردگار (کی نافرمانی کے نتائج) سے ڈرو۔ وہ پروردگار جس نے تمہیں اکیلی جان سے پیدا کیا (یعنی باپ سے پیدا کیا) اور اسی سے اس کا جوڑا بھی پیدا کر دیا (یعنی جس طرح مرد کی نسل سے لڑکا پیدا ہوتا ہے، لڑکی بھی پیدا ہوتی ہے) پھر ان دونوں کی نسل سے مردوں اور عورتوں کی بڑی تعداد دنیا میں پھیلا دی۔ (اور اس طرح تن تنہا ایک مورث اعلیٰ کی نسل نے خاندانوں، قبیلوں اور بستیوں کی شکل اختیار کر لی۔ اور رشتوں اور قرابتوں کا بہت بڑا دائرہ ظہور میں آ گیا۔) پس دیکھو، اللہ سے ڈرو جس کے نام پر باہم دگر (مہر و الفت کا) سوال کرتے ہو۔ نیز قرابت داری کے معاملے میں بے پروا نہ ہو جاؤ۔ یقین رکھو کہ اللہ تم پر (تمہارے اعمال کا) نگران حال ہے۔“

(ترجمان القرآن)

اس آیت مبارکہ کو آپ غور سے پڑھیں اور بار بار پڑھیں۔ اس

کے کسی لفظ یا کسی حصے سے ”مرد و عورت کی بنیادی مساوات“ کا نظریہ ثابت نہیں ہوتا۔ آیت مبارکہ زیر بحث میں دو حقیقتوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ ایک تو یہ کہ ہر انسان ایک نئے معاشرے کا خالق ہے جو رفتہ رفتہ ایک مدنیت کبریٰ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ قرآن کا کہنا یہ ہے کہ یہ معاشرہ اور یہ پیدا شدہ مدنیت کیونکر مدنیت صالح کی شکل اختیار کر سکتی ہے؟ پھر اس کا جواب دیتا ہے کہ صرف تقویٰ یا خدا پرستی سے۔ باہمی حقوق کا احترام اور ان کی نگہداشت ہی کسی معاشرے یا مدنیت کی صلاح و فلاح کا لازمی جزء ہے اور وہ بدون تقویٰ اور خدا پرستی پیدا نہیں ہو سکتا۔

آیت مبارکہ اس حقیقت کو ضرور پیش کرتی ہے کہ نسل انسانی کی تولید، معاشرے کی تخلیق اور نوع انسانی کے حفظ و بقا میں مرد و عورت برابر کے سہم و شریک ہیں۔ لیکن اس سے جنسی مساوات کا خیال پیدا کرنا یا نتیجہ نکالنا ہمارے نزدیک تفسیر القول بما لا یرضی بہ قائلہ (یعنی بات کی ایسی وضاحت کرنا جو قائل کی مراد بالکل نہ ہو) سے زیادہ نہیں۔

قرآن کے بعد حدیث:

اس آیت سے جنسی مساوات کا نتیجہ اخذ کرنے کے بعد ہمارے بعض منکرین ان احادیث کریمہ کی صحت کو معرض بحث میں لے آتے ہیں جن کی صحت بلاشبہ مسلم ہے اور یہ محض اس لیے کہ ان کی نظر میں وہ احادیث قرآن حکیم کے پیدا کردہ نظریہ مساوات بین الزوجین کے مخالف ہیں۔

ایک بڑی غلطی:

مجھے معاف فرمایا جائے اگر میں یہ عرض کروں کہ یہ حضرات اس راہ میں ایک بڑی غلطی یہ کرتے ہیں کہ پہلے تو آپ اپنی رائے سے قرآن کریم کی کسی آیت کے ایک معنی متعین کر لیتے ہیں پھر ان خود ساختہ معنوں کی روشنی میں احادیث پر پیشہ چلانا شروع کر دیتے ہیں اور ان معنوں کی تعیین میں قرآن کے سیاق و سباق، اس کے اسلوب و انداز بیان کو، قرآن کے اوّلین مخاطبین کی نفسیاتی اور

اور ان اداروں کے اعداد و شمار سے انھوں نے ثابت کیا ہے کہ یہ ادارے معاشرے کے لیے رحمت ثابت ہوئے ہیں۔ جہاں ان اداروں کی تعلیم یافتہ لڑکیاں گئی ہیں، وہ گھر صلح و امن کی وجہ سے جنت بن گئے ہیں، وہاں طلاقوں کے کیس بہت کم ہو گئے ہیں ورنہ یورپ و امریکا کی عدالتوں میں سب سے زیادہ مقدمات آج کل زن و شوہر کی تفریق ہی کے دائرہ ہوتے ہیں، جن میں کہیں تو مرد عورت کی بے راہ روی سے نالاں نظر آتا ہے اور کہیں عورت مرد کے ہاتھوں جو رولم کا شکار ہوتی ہے اور سوائے تفریق کے کوئی دوسری راہ نظر نہیں آتی۔

پس آپ تعلیم دیجیے اور ضرور تعلیم دیجیے لیکن جب تک اس مخلوط تعلیم کو قطعاً اڑائیں دیں گے، عورتوں کے تعلیمی اداروں کو بالکل الگ نہیں کر دیں گے، ان میں سچی مسلم معلمات کا انتظام نہیں کریں گے اور ان میں ایسا نصاب رائج نہیں کریں گے جو عورت کی مخصوص زندگی، اس کے مقتضیات و حالات کے مطابق ہو، کوئی بہتر نتیجہ نہیں نکلے گا۔ اور سچی بات یہ ہے کہ اخلاق و کردار کی قیمت پر تعلیم تو ایک لعنت ہے اور اگر اس کی تلخی آپ محسوس نہیں کر رہے تو غمگین آپ کو یہ تلخ گھونٹ بھی بھرنا پڑے گا۔

ہماری تعلیم کا اس سے بڑا المیہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس وقت اگر ہزاروں نہیں تو سیکڑوں ایسے بی۔ اے اور ایم۔ اے ضرور ملیں گے جنھوں نے قرآن ناظرہ تک نہیں پڑھا۔ ڈاکٹر اقبال معاشرے کی اسی حالت کو دیکھ کر سٹپٹا گئے تھے اور انھوں نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا تھا۔

یہ زائرانِ حریم مغرب ہزار رہبر بنیں ہمارے
ہمیں بھلا ان سے واسطہ کیا جو تجھ سے نا آشنا ہے
تعلیم ضروری ہے، نہایت ضروری ہے۔ آج سے صدیوں پہلے
عرب کے ایک امی (روحی فداہ علیہ الصلاۃ والسلام) نے فرمایا تھا:

((طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم
و مسلمۃ))

مگر خدا را تعلیم کی نوعیت مقرر کیجیے۔ اگر تعلیم سے مقصود انسان کے

معاشرتی تقاضوں کو، ان مخصوص حالات کو جن میں وہ آیات نازل ہوئیں اور پھر عربی محاورہ تک کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ پھر یہی سلوک آپ اس حدیث سے بھی کرتے ہیں جس کو آپ اپنی نکتہ چینی کا ہدف بنانا چاہتے ہیں۔

حیرت بالائے حیرت:

اس ضمن میں سب سے زیادہ دُرُ لطف یہ حقیقت ہے کہ یہ حضرات ہر اُس حدیث کو نہایت خوشی کے ساتھ اپنا لیتے ہیں جو ان کے مفید مطلب ہو، چاہے وہ فن حدیث کے اعتبار سے کیسی ہی ضعیف اور ناقابل اعتناء کیوں نہ ہو۔ لیکن ہر ایسی حدیث کو نہایت بے باکی کے ساتھ مسترد فرما دیتے ہیں جو ان کے پیدا کردہ نظریوں یا خیالات سے متصادم ہو۔

موجودہ تعلیم اور عورت:

آپ تسلیم کریں گے کہ مردوں کے برابر نہ سہی لیکن ہماری پاکستانی بہنوں نے اس میدان میں کافی ترقی کر لی ہے۔ باقی اس تعلیم کے نتائج آپ کے سامنے ہیں۔ اگر مشاہدے کی ضرورت ہو تو مختلف ہوٹلوں میں جا کر دیکھیے، مختلف سینماؤں کی سیر کیجیے، یا زنانہ کالجوں کے ہوٹلوں کو ملاحظہ فرمائیے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں، کسی بھی یونیورسٹی میں چلے آئیے۔ آپ کو اس تعلیم کے نتائج حسنہ کئی جوڑوں کی شکل میں ادھر ادھر مصروف راز و نیاز ملیں گے۔

اس تعلیم کے نتائج سے تو ہمارے اساتذہ (یورپ اور امریکہ) بھی جن کے قدم بہ قدم ہم جا رہے ہیں، چیخ اُٹھے ہیں۔ یہاں تک کہ امریکا میں فلسفہ تعلیم پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں اور جن میں سے بعض ٹریننگ کالجز میں داخل درس ہیں، ان میں اس چیز پر مستقل ابواب باندھے ہیں:

"A educated wife is no wife."

”(یعنی رائج الوقت) تعلیم یافتہ بیوی، بیوی نہیں رہتی۔“

اور انھوں نے اس تعلیم سے تنگ آ کر عورتوں کی تعلیم کے لیے جداگانہ تعلیمی ادارے، جداگانہ نصاب تعلیم کے ساتھ کھول دیے ہیں

تعلیمات اور عقل کے خلاف نظر نہ آتی۔

اول تو اس امر پر غور فرمائیے کہ اس حدیث میں ”اگر“ کا لفظ موجود ہے جس کی اصلی قوت ان تمام خیالات اور توہمات سے انکار اور انھیں رد کرنا ہے جو اس وقت کی غیر اسلامی زندگی کا جزو بن چکے تھے۔ اُس پہلی حدیث میں بھی اصلی چیز یہی تھی کہ سجدہ اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا۔ عرب کا بچہ بچہ چونکہ توہمات میں گرفتار تھا۔ اس لیے اصلی زور اس چیز پر ہے کہ ”منحوسیت“ کا خیال ہی سرے سے غلط، باطل اور بے بنیاد ہے یعنی کسی چیز میں کوئی منحوسیت نہیں لیکن بفرض محال یہ جنس (منحوسیت) کہیں پائی بھی جاتی تو پھر ان تینوں چیزوں میں ہوتی: گھوڑا، عورت اور مکان۔

اب آئیے حدیث کے نفس مضمون کی طرف۔ افسوس ہے آپ نے حدیث کی کتابوں کی تھوڑی سی ورق گردانی اور تھخص کی تکلیف بھی گوارا نہ فرمائی اور جھٹ ”مولویانہ عجلت“ کے ساتھ فیصلہ یافتہ صادر فرمادیا کہ یہ حدیث چونکہ قرآن کے مضامین کے خلاف ہے اس لیے ناقابل قبول ہے اگر آپ تھوڑی سی زحمت گوارا فرماتے تو آؤ کو انھی ناقابل قبول روایات میں اس حدیث کی تشریح مل جاتی۔ جہاں حضور ﷺ نے یہ وضاحت فرمادی کہ گھوڑے کی نحوست یہ ہے کہ وہ اڑیل ہو، بہت تند اور شوخ ہو، عورت کی نحوست یہ ہے کہ وہ بد اخلاق ہو، بد زبان ہو، بد مزاج اور بد کردار ہو۔ مکان کی نحوست یہ ہے کہ اس کے ہمسائے بد اخلاق ہوں، لڑاکے ہوں، بد اطوار ہوں اور حقوق ہمسائگی سے نا آشنا۔

میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا اس سے بڑی کوئی صداقت ہو سکتی ہے جس کا حضرت سید الاولین والآخرین علیہ الصلاۃ والسلام نے اظہار فرمایا ہے؟

یہاں آپ پوچھ سکتے ہیں کہ مرد و عورت میں آخر کسی قسم کی مساوات ہے بھی یا نہیں؟ ہے اور ضرور ہے لیکن وہ صرف باہمی حقوق میں مساوات ہے اور اسے قرآن نے واضح فرمادیا ہے:

اندرونی قوائے خفتہ کو بیدار کرنا، اس کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا جو فطرت نے اس کے اندر ودیعت فرمائی ہیں اور اسے ان مخصوص فرائض کے ادا کرنے کے زیادہ قابل بنانا اور اس کی اخلاقی اور ذہنی استعدادوں کو چمکانا ہے جو خلاق فطرت کی طرف سے اسے بخشی گئی ہیں تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ تعلیم کے دائرے مرد و عورت کے لیے بالکل یکساں نہیں ہو سکتے۔

امورِ مملکت اور عورت:

آج کل سیاست پر بڑا زور دیا جاتا ہے کہ عورت کو اگر سیاسیات پر عبور نہ ہوگا تو وہ مردوں کی راہنمائی کیونکر کر سکے گی؟ اس کے لیے اسی اُمی عرب (علیہ الصلاۃ والسلام) کا ایک فرمان سن لیجیے:

”وہ قوم ہلاک ہوگئی جس نے اپنے امورِ ملکی و ملی کی عنان

ایک عورت کے ہاتھ میں دے دی۔“

ہمارے مدعیانِ مساوات ضرور پکاراٹھیں گے کہ یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے اس لیے قابل قبول نہیں۔ آپ کے لیے قابل قبول ہو نہ ہو لیکن دنیا کی پوری تاریخ اس کی صداقت پر گواہ ہے۔

بعض دوسری احادیث:

اس ضمن میں بعض اور حدیثیں بھی ہمارے دعوے دارانِ مساوات جنسی کے لیے ہدفِ ملامت بن جاتی ہیں۔ ان تمام کا اقتضار تو اس مختصر مضمون میں ناممکن ہے۔ وہ بجائے خود ایک مستقل تصنیف کا محتاج ہے لیکن ایک حدیث کی طرف اشارہ کرنا نہایت ضروری ہے کہ اس سے اہل مذہب اور اہل سیاست دونوں پیچ و تاب میں رہتے ہیں۔ یہ حدیث ایک طرف تو قرآن کے اعلانِ مساوات کے خلاف نظر آتی ہے اور دوسری جانب جدید علوم عقلیہ کے ماہرین کو بہت زیادہ کھٹکتی اور مذہب کی طرف سے انھیں بدظن کرتی ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

”اگر کسی چیز میں منحوسیت ہو سکتی تو وہ گھوڑے، عورت اور مکان میں ہوتی۔“

اگر ہمارے دوست اس حدیث میں تھوڑا سا بھی تامل کرنے کی تکلیف گوارا فرماتے تو یقیناً انھیں اس میں کوئی چیز قرآنِ کریم کی

دشمن (بھی) ہیں۔ سوان سے بچتے رہو اور اگر معاف کردو اور درگزر کردو اور بخش دو تو اللہ بھی بخشے والا مہربان ہے۔“

اس عہد کے فتنوں میں سے ایک بہت بڑا فتنہ عورت اور مرد میں کامل مساوات کا نظریہ ہے۔ میں پوچھتا ہوں، دنیا میں مساوات ہے کہاں؟ اس چیز کو اگر کتاب و سنت کی پیش کردہ حدود کے اندر رکھا گیا تو یہ معاشرے کی فلاح و بہبود اور ترقی و کامرانی پر منہج ہوگا، ورنہ تباہی و بربادی، خرابی اور ویرانی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

قرآن کی اعلان کردہ مساوات:

قرآن کریم نے صرف ایک ہی مساوات کا اعلان کیا ہے وہ جزاء و سزائے اعمال کی مساوات ہے، یعنی ہر انسان مرد ہو یا عورت اسے حق ہے کہ وہ فطرت کے بخشے ہوئے ملکات سے فائدہ اٹھائے اور قدرت کی بخشی ہوئی قوتوں کو بروئے کار لائے۔ اور خلاق فطرت کی طرف سے ان کے اعمال کے بدلے میں کسی قسم کا فرق یا امتیاز یا کسی قسم کی کوتاہی یا بخل نہیں برتا جائے گا:

﴿مَنْ عَمِلْ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [النحل: ۹۷]

”جس کسی نے اچھا کام کیا، خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہے تو (یاد رکھو) ہم ضرور اسے (دنیا میں) اچھی زندگی بسر کرائیں گے اور آخرت میں بھی ضرور اسے اجر دیں گے۔ انھوں نے جیسے جیسے اچھے کام کیے ہیں، اسی کے مطابق ہمارا اجر بھی ہوگا۔“

اسی حقیقت کا سورہ مؤمن میں تھوڑے سے تغیر لفظی کے ساتھ اعادہ فرمایا ہے اور آخرت کے اجر و کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ سورہ انبیاء میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿مَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِّسَعْيِهِ وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ﴾ [الأنبياء: ۹۴]

(باقی صفحہ نمبر ۲۷ پر ملاحظہ کیجیے)

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيَّهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [البقرة: ۲۲۸]

”اور (دیکھو) عورتوں کے لیے اسی طرح کے حقوق مردوں پر ہیں جس طرح کے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔“

جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر اس حق کے بدلے میں جو مرد کا عورت پر ہے اسی قسم کا حق عورت کا مرد پر ہے۔ انسانی معاشرے کی سعادت و اصلاح کا یہ سنگ بنیاد ہے جو قرآن نے بیان فرمادیا ہے مگر یہاں بھی اس حقیقت کو واضح گاف فرمادیا کہ مردوں کو عورتوں پر ایک گونہ فضیلت ہے۔ پھر مساوات کہاں رہی؟

اگر حضور آیہ رحمت ﷺ نے یہ کہہ کر کہ اگر اللہ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت سے کہتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ عورت کو اپنے خاوند کا کمال احترام کرنے کی تلقین فرمائی ہے تو ادھر خاوند کو بھی کہا ہے:

((خيركم خيركم لأهله وأنا خيركم لأهلي .))

”تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا ہے اور میں اپنی بیویوں کے ساتھ تم سب سے اچھا ہوں۔“

یعنی حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے بہترین انسان ہونے کے ثبوت میں یہ دلیل بھی پیش فرمائی کہ میرا اپنی بیویوں کے ساتھ بہترین سلوک ہے۔

پھر مرض الموت میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے جو وصیتیں فرمائیں، ان میں عورتوں کے حقوق کو نگاہ میں رکھنے کی یہ کہہ کر تلقین فرمائی کہ تم انھیں اللہ کو ضامن قرار دے کر لائے ہو (أو کما قال) قرآن نے اسی حقیقت کی یوں وضاحت فرمائی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنِّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ وَإِنْ تَعَفَّوْا وَتَصَفَّحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ [التغابن: ۱۴]

”مومنو! تمھاری عورتوں اور اولاد میں سے بعض تمھارے

خلافت فی الارض جہاد سے قائم ہوگی

عطاء محمد جنجوعہ

مسلم حکمرانوں کو اتحاد کی دعوت پر میرا مضمون ”خلیفہ کی ضرورت کیوں؟“ (الاعتصام جلد: ۶۴، شمارہ: ۱۴۰، ۶ تا ۱۲ اپریل ۲۰۱۲ء) میں شائع ہوا۔ قادیانی جریدہ ہفت روزہ ”لاہور“ کے لکھاری جن سے میری علمی نوک جھوک رہی ہے، جناب مظفر احمد درانی لکھتے ہیں: ”میرے ایک قلمی اور علمی دوست جناب عطاء محمد جنجوعہ ہفت روزہ ”الاعتصام“ کے مستقل لکھاری ہیں، مختلف موضوعات پر لکھتے رہتے ہیں آپ اپنے تازہ مضمون بعنوان ”خلیفہ کی ضرورت کیوں؟“ میں یوں رقم طراز ہیں:

”آج بھی اسلامی ممالک عملی طور پر آئی۔ ایم۔ ایف کی بجائے اللہ ہی کو رب العالمین مان لیں، امریکی صدر کی بجائے مالک الملک کو احکم الحاکمین تسلیم کر لیں۔ لیکن لیکن کی بجائے خاتم النبیین ﷺ کو رحمۃ للعالمین تسلیم کر لیں، یو این او کے دستور کی بجائے ہدی للمتقین پر عمل کرنا شروع کر دیں، واشنگٹن کے چکر لگانے کی بجائے مکہ مکرمہ میں ہدی للعالمین کا طواف کریں، وائٹ ہاؤس کی بجائے مسجد نبوی کے منبر سے فیض حاصل کریں، دنیا بھر کی مسلم ریاستیں اقوام متحدہ کی بجائے خلافت اسلامیہ کے پرچم تلے متحد ہو جائیں اور مسلم حکمران ایک خلیفہ کی بیعت کر لیں تو وہ اپنے اسلاف کی تاریخ کو از سر نو زندہ کر سکتے ہیں۔ اور اکیسویں صدی عیسوی میں عالم انسانیت کو مادہ پرستی سے نکال کر خدا پرستی کی راہ پر گامزن کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ہر اسلامی ریاست میں علماء، دانش ور اور صحافیوں پر مشتمل

تحریک احیائے خلافت کی ضرورت ہے۔“

(الاعتصام ۱۲/۱۲ اپریل ۲۰۱۲ء)

خاکسار راقم الحروف اس تجویز کو پڑھ کر بے حد خوشی کے ساتھ اس پر کچھ تبصرہ کرنا چاہتا ہوں کیونکہ یہ ایک ایسی ضرورت ہے جس کو ہر ذی شعور مومن محسوس کرتا ہے اور قیام نظام خلافت کا شدت سے خواہاں ہے۔“

مظفر احمد درانی صاحب نے خلافت کی ضرورت اور شرائط تحریر کرنے کے بعد لکھا ہے:

”خلیفہ خدا بناتا ہے۔“

مزید لکھتے ہیں:

”ہر اسلامی ریاست میں علماء، دانش ور اور صحافیوں پر مشتمل تحریک احیائے خلافت کی ضرورت ہے، یہ بات بھی خلاف قرآن ہے۔ علماء، دانش ور اور صحافی بے چارے کس طرح احیائے خلافت کر سکتے ہیں یہ تو ان کے بس کی بات نہیں۔ خلافت کا احیاء، قیام تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے۔“ (ہفت روزہ لاہور، ۲۵ تا ۲۹ مئی ۲۰۱۲ء)

غور طلب پہلو ہے کہ نبی کو بے شک خدا ہی منتخب کرتا ہے۔ آپ کے بقول خلیفہ کو بھی خدا ہی نام زد کرتا ہے تو منصب نبوت اور منصب خلافت میں بنیادی فرق کیا رہا؟ نبوت کی بجائے خلافت کو جاری کرنے کا کیا مقصد ہوا؟

درانی صاحب! اگر خلیفہ کو خدا ہی نام زد کرتا ہے تو کم از کم ابتدائی دور کے قادیانی خلفاء ہی کے نام آسمانی کتاب میں دکھائیے۔ آپ نے حدیث پیش کی ہے کہ خلافت تیس سال رہے گی جن

بھیجے گا اور روئے زمین پر جو بھی ذرہ برابر خیر یا ایمان کا حامل ہوگا وہ باقی نہیں رہے گا وہ ہوا کے ذریعے فوت ہو جائے گا اس کے بعد برے لوگ باقی رہ جائیں گے۔“ (صحیح مسلم)

حدیث کی روشنی میں قتل دجال کے سات سال کے بعد تمام اہل ایمان کے فوت ہونے کا ذکر ہے۔ اس دنیا میں ڈرون حملوں سے معصوم بچوں کو قتل کرنے والے موجود ہیں تو اسی کائنات میں معصوم بچوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرنے والے ایمان دار لوگ بھی موجود ہیں۔ قادیانی نبوت اور خلافت کے جھوٹ ہونے کے لیے یہی دلیل کافی ہے۔

قرآن کی سورہ نور میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا:

”تم میں سے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کیے ہیں اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ انھیں زمین میں خلیفہ بنائے گا۔“ (النور: ۵۵)

خیر القرون میں اس وعدہ الہی کا ظہور ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ دین اسلام کو عروج دیا اور مسلمانوں کے خوف کو امن سے بدل دیا۔ اور مسلمانوں کو زمین پر اس حد تک غلبہ حاصل ہو گیا کہ خلافت عثمانیہ کے دور میں خلیفہ کی اجازت کے بغیر دنیا کی کسی قوم کا بحری جہاز سمندر میں حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ جب کہ قادیانی امت سنہرے خواب دیکھ کر ہندوستان سے چناب نگر (پاکستان) آئے۔ پارلیمنٹ آف پاکستان نے اُن کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔ قادیانی قیادت چناب نگر سے فرار ہو کر لندن منتقل ہو گئی۔ آیت مذکورہ کے مطابق اُن کو خلافت فی الارض حاصل نہ ہو سکی۔

تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد جہاں بھی جہاد کے ذریعے خلافت فی الارض قائم کی یا جدوجہد کی تو انگریز قوم نے بھرپور مخالفت کی۔ اس کے برعکس کسی طبقہ نے روحانی خلافت قائم کی تو انگریز قوم نے اُن کی سرپرستی کی۔ خاتم النبیین ﷺ کی نبوت دائمی ہے۔ مسلمان نزولِ مسیح تک جہاد باللسان کے تحت اہل علم میں خلافت فی الارض کا شعور بیدار کرتے رہیں گے اور عملی میدان

خلفائے راشدین پر اتفاق ہے ان کے بارے میں تاریخی حقیقت ہے۔ ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کو شوریٰ کے اہل حل و عقد نے غور و فکر کے بعد نام زد کیا ہے۔ اگر اللہ نے نام زد کیا ہوتا تو اُن کے نام قرآن مجید میں ضرور ہوتے۔

اسلام میں مجلس شوریٰ خلیفہ کو باہمی مشورے سے منتخب کرتی ہے۔ مسلمانوں کے امیر المؤمنین پر وحی نہیں آتی اور نہ ہی وہ معصوم عن الخطا ہوتا ہے۔ شرعی عذر کی بنا پر اُسے عہدے سے ہٹایا جاسکتا ہے۔ اسلام کے برعکس قادیانیوں کے نزدیک خلیفہ کو خدا منتخب کرتا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا بیٹا مرزا محمود خلیفہ ثانی تھا۔ اس کے بارے ”الفضل“ قادیان میں رپورٹ شائع ہوئی:

”ہمیں حضرت مسیح پر اعتراض نہیں کیونکہ وہ کبھی زنا کیا کرتے تھے۔ ہمیں اعتراض موجودہ خلیفہ پر ہے کیونکہ وہ ہر وقت زنا کرتا رہتا ہے۔“ (روزنامہ الفضل قادیان دارالامان، مورخہ ۳۱ اگست ۱۹۳۸ء)

قادیانی امت غور کرو آپ کے نزدیک خلیفہ کو خدا منتخب کرتا ہے تو الفضل کے مطابق زانی کو کیوں منتخب کیا گیا؟

اگر آپ کہیں پہلے نہیں تھا بعد میں زنا کا عادی ہوا ہے تو اس میں اللہ کے عالم الغیب ہونے کی نفی ہے۔ بہ صورت دیگر تسلیم کیجیے خلیفہ کو اللہ تعالیٰ منتخب نہیں کرتا۔

حدیث میں تیس سالہ خلافت کا تذکرہ منہاج نبوت کا دور ہے۔ اس دور کے سیاسی و اجتہادی نوعیت کے فیصلے قیامت تک مسلمانوں کے لیے راہنمائی کا باعث ہیں۔ ورنہ اتحاد و یگانگت کی خلافت کا سائبان ۱۹۲۴ء تک مسلمانوں کے سروں پر رہا۔ جس ذات اقدس ﷺ کی حدیث کی روشنی میں مسلمانوں کی خلافت کو تیس سال تک محدود مانتے ہو، اسی کائنات کے امام محمد ﷺ کا فرمان ہے:

”حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آ کر قتل کریں گے پھر سات سال تک لوگ اس حال میں رہیں گے کہ دو بندوں کے درمیان کوئی دشمنی نہیں ہوگی پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے سرد ہوا

میں جہاد کے خون سے خلافت کا چراغ جلانے کی جدوجہد کرتے رہیں گے۔

روئے کائنات پر مکین انسانیت کا کسی ایک بات پر اتفاق ہو جائے دوسری طرف اکیلے محمد ﷺ کا فرمان ہو۔ سب کی بات کو رد کیا جاسکتا ہے لیکن محمد عربی ﷺ کے فرمان کو نہیں کیونکہ اُن کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۖ﴾

[النجم: ۴، ۳]

”اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں۔ وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔“

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا کہ میری امت میں قیامت تک ایک گروہ ایسا موجود رہے گا جو حق کی خاطر قتال کرتا رہے گا۔ قیامت تک حق پر رہے گا تا آنکہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام (آسمان سے) نزول فرما ہوں گے تو مسلمانوں کا امیر (امام مہدی) ان سے کہے گا آئیں نماز پڑھائیں تو وہ فرمائیں گے کہ نہیں تم ہی میں سے کوئی لوگوں پر امیر (امام) ہوگا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کو اعزاز دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم، بیان نزول عیسیٰ بن مریم)

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جہادی قافلہ رکنا نہیں، تھما نہیں، منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے ایشیا، افریقا اور ترکستان میں جہادی پرچم بلند کیا ہے۔ ترکوں نے خلافت عثمانیہ کے سائبان تلے یورپ میں دعوت و جہاد جاری رکھا۔ صہیونی سازش سے مسلمان خلافت کے سائبان سے محروم ہو گئے۔ یورپی اقوام نے اس دنیا کی ریاستوں کو آپس میں بانٹ دیا۔ ہر علاقے میں آزادی کی تحریکوں نے زور پکڑا جہاد کا میدان گرم رہا۔ انگریز نے بہائیہ، بابلیہ اور قادیانیہ کے پودے کاشت کیے جو فتویٰ دیتے رہے کہ جہاد حرام ہو چکا ہے، انگریزوں کی اطاعت فرض ہے۔ برصغیر میں چند تن سکھ لوگ اس قادیانی نظریے سے ضرور متاثر ہوئے لیکن مجاہدین نے

گوریلا کارروائیوں سے انگریزوں کا جینا دو بھر کر دیا۔ انھوں نے کالا پانی جانا منظور کر لیا، چوراہوں پر درختوں سے الٹا لٹکا گورا کر لیا، لیکن جہاد کے عزم سے روگردانی نہ کی۔ پاکستان جہادی اور قانونی جدوجہد کے بعد برطانوی غلامی سے آزاد ہوا۔ نسل نو میں مغربی فلسفہ کے زیر اثر ایسے سکالر نمودار ہوئے جنھوں نے جہاد کے حرام ہونے کا فتویٰ نہیں دیا لیکن من مانی تعبیر سے چند شرائط عائد کر دیں۔

امریکا نے نائن الیون کی آڑ میں افغانستان اور عراق پر حملہ کیا اگر اس وقت مسلمان خلیفہ کے منتخب ہونے تک جہاد کو مؤخر کرتے یا دفاعی وسائل میں کمی کا بہانہ وضع کر لیتے یا مسیح علیہ السلام کے منتظر ہو کر بیٹھ جاتے تو امریکی یلغار رکنے والی نہ تھی۔ لیکن مجاہدین نے جدوجہد جاری رکھی اور آج امریکا گھٹنے ٹیک کر اُن سے مذاکرات کے لیے چور دروازے تلاش کر رہا ہے۔

افغانستان اور عراق میں مجاہدین مزاحمتی جہاد کرتے رہے۔ انھوں نے جہاں جہاں تسلط جمایا وہاں اسلامی قانون کا نفاذ کیا جس سے یورپ کے ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی۔ برطانیہ کے وزیر اعظم ٹونی بلیر نے بیان جاری کیا کہ ”مسلمان خلافت کا نظام واپس لانا چاہتے ہیں۔“ (ماہنامہ شریعہ گوجرانوالہ، جولائی ۲۰۰۶ء)

اُدھر امریکی فوجی جنرل رچرڈ مائر نے واشنگٹن میں پریس کانفرنس کے دوران کہا: ”آج دنیا کے ”زرقاویوں“ کو عراق میں کامیاب ہونے دیا گیا تو یہ خلافت کا آغاز ہوگا جو مجاہدین کا ہدف ہے پھر وہ اپنا دباؤ بڑھاتے ہوئے تحریک جاری رکھیں گے جس سے کرہ ارض متاثر ہوگا۔“

انگریزوں کو قادیانیوں کی روحانی خلافت سے خطرہ نہیں اگر خطرہ ہے تو مسلمانوں کی خلافت فی الارض سے ہے۔ اللہ کی خصوصی نصرت سے مسلمان جہاد کے لیے بیدار ہو چکے ہیں۔ وہ جہاد کے خون سے خلافت کا چراغ روشن کر رہے ہیں۔ ان شاء اللہ

امام دارالہجرۃ حضرت امام مالک رحمہ اللہ

مولانا حافظ محمد اسحاق رحمہ اللہ

امام صاحب کے شاہانِ وقت سے تعلقات:

امام صاحب بادشاہوں سے ملنا اور ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں ان کے ابو جعفر منصور، مہدی اور ہارون الرشید کے درباروں میں جانے اور انھیں وعظ وارشاد کرنے کے واقعات بہ کثرت ملتے ہیں۔ ایک دفعہ کسی نے امام صاحب کو بادشاہوں کے دربار میں جانے پر یہ کہہ کر ملامت کی کہ وہ بڑے ظالم اور خون خوار ہیں۔ امام صاحب فرمانے لگے: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے اس سے بڑھ کر کلمہ حق کہنے کا اور کون سا موقع ہوگا؟

(تقدمۃ الحج والتعذیل، ص: ۳۰)

نیز فرمایا کرتے تھے جس شخص کے سینے میں اللہ تعالیٰ نے علم و فہم کا کچھ حصہ بھی ودیعت کیا ہے اس پر واجب ہے کہ وہ ہر بادشاہ کے پاس جائے، اسے نیکی کا حکم دے، شر سے روکے اور حق کی جانب اس کی راہنمائی کرے۔ یہی ایک عالم اور جاہل کے درمیان فرق ہے۔ علماء کا بادشاہوں کے پاس جانا وعظ وارشاد کی غرض سے ہونا چاہیے اگر علماء میں یہ چیز پیدا ہو جائے تو یہ اتنی بڑی فضیلت ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ (الذبیان المذہب، ص: ۲۷)

مذکورہ بالا مقصد کے لیے ہی امام صاحب بادشاہوں کے پاس جایا کرتے تھے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ذاتی مفاد حاصل کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی یہی وجہ ہے کہ بقول ابو مصعب ”وکان السلاطین تہابہ“ (تقدمۃ، ص: ۲۶) امام صاحب کی ہیبت ان پر چھائی رہتی تھی۔ وہ آپ کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔

عوام کی تکالیف رفع کرنے کے لیے جدوجہد:

آپ جب کبھی عوام کی تکالیف ان کے سامنے رکھتے تھے تو ان

کے رفع کرنے میں مبادرت کرنا اپنے لیے باعث فخر سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب عباسی خلیفہ مہدی ۱۶۰ھ میں حج کرنے کے لیے حجاز آیا، حج سے فارغ ہو کر عازم مدینہ ہوا اور شہر کے قریب پہنچا تو شہر کے دوسرے علماء اور شرفاء کی طرح امام صاحب بھی اس کے استقبال کے لیے گئے۔ مہدی نے دیکھا تو آگے بڑھ کر سلام کیا اور امام صاحب کو سینے سے لگا لیا۔ اس سال حجاز میں سخت قحط تھا موقع پا کر امام صاحب نے فرمایا: امیر المؤمنین! اس وقت جس شہر میں جا رہے ہیں وہاں مہاجرین اور انصار کی اولاد آباد ہے۔ وہ روضہ نبوی کے ہمسایہ ہیں۔ مہدی امام صاحب کا مطلب سمجھ گیا اور ۲۵ لاکھ درہم امام صاحب کے پاس بھیج دیے کہ تقسیم کر دیجیے۔ امام صاحب نے یہ رقم اپنے معتمد تلامذہ کے حوالے کی کہ حسب حاجت لوگوں میں تقسیم کر دی جائے۔ (کتاب الامامۃ مناقب مالک بحوالہ حیات مالک از سید سلیمان ندوی، ص: ۶۱)

مسند تدریس:

فارغ التحصیل ہونے کے بعد حضرت امام نے مسند تدریس کو رونق بخشی اس وقت آپ کی عمر سترہ سال تھی۔ اور اسی وقت لوگ آپ کی امامت کے معترف تھے۔ آپ نے اپنے اساتذہ کی موجودگی میں اپنا حلقہ درس الگ قائم کیا۔ مصعب زبیری کہتے ہیں امام مالک اپنے شیخ ربیعہ کی مجلس میں حاضر ہو کر تحصیل علم کیا کرتے تھے۔ جب فارغ ہو کر اپنا حلقہ الگ قائم کیا تو ربیعہ کی مجلس میں بیٹھنے والے اکثر لوگ امام مالک کے حلقے میں شریک ہو گئے۔ ربیعہ کی زندگی میں امام مالک کا حلقہ ربیعہ کے حلقے کے برابر یا اس سے بھی بڑا ہو گیا تھا۔

(الانتقاء لابن عبد البر، ص: ۳۷)

شعبہ فرماتے ہیں میں نافع کی زندگی میں مدینہ آیا تو دیکھا کہ امام

مالک اپنا مستقل حلقہ قائم کیے ہوئے ہیں جو مصعب کے قول کے مطابق نافع کے حلقے سے بڑا تھا۔ (تقدمہ الدیبا ج: ص: ۲۱)

اتنی قابلیت اور اعلیٰ استعداد کے باوجود فروتنی اور تواضع دیکھیے کہ جب تک اساتذہ و ائمہ فن نے تدریس و افتاء میں اہلیت کی شہادت نہیں دی پڑھانے اور فتویٰ دینے کا نام نہیں لیا۔ فرماتے ہیں کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جب چاہے فتویٰ دینے یا حدیث پڑھانے کے لیے مسجد میں بیٹھ جائے بلکہ اسے پہلے اہل علم و فضل اور مسجد میں حاضر ہونے والے سنجیدہ لوگوں سے مشورہ لینا چاہیے اگر وہ اسے اس کا اہل سمجھیں تو درس و افتاء کے لیے بیٹھے۔ جب تک ستر اساتذہ نے میری اہلیت کی شہادت نہیں دی۔ میں نے مسند تدریس پر قدم نہیں رکھا۔

(الدیبا ج: ص: ۲۱)

مجلس درس کے آداب:

امام صاحب کی مجلس درس بڑی باوقار اور پر ہیبت ہوتی تھی۔ آداب کے رعب و جلال کا یہ عالم تھا کہ کسی کو شور و غل کرنے اور اونچی آواز سے بولنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ جب کسی سوال کا جواب دیتے تو کوئی شخص ثبوت طلب کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ خود نہیں پڑھا کرتے تھے بلکہ کسی ہوشیار شاگرد کو پڑھنے کا حکم دیتے اور خود جگہ جگہ پڑھی ہوئی عبارت کی تشریح و توضیح کرتے جاتے تھے۔ عموماً آپ کا شاگرد رشید حبیب ہی قراءت کیا کرتا تھا۔ بادشاہوں کی طرح ان کے ہاں دربان مقرر تھے۔ دروازے پر مستفیدین کی بھیڑ ہو جاتی تھی مگر بلا اجازت کوئی اندر نہیں جاسکتا تھا۔ جب لوگ جمع ہو جاتے تو پہلے تلامذہ کو اجازت ملتی پھر عوام داخل ہوتے۔ اس امتیازی سلوک پر کسی نے اعتراض کیا تو امام صاحب بولے میرے تلامذہ رسول اللہ ﷺ کے ہمسایہ ہیں۔ مطرف کہتے ہیں جب دروازہ پر لوگوں کا ہجوم ہو جاتا تو خادمہ آکر پوچھتی شیخ کہتے ہیں آپ لوگ حدیث پڑھنے آئے ہیں یا مسائل پوچھنے کے لیے؟ اگر وہ کہتے ہم مسائل پوچھنا چاہتے ہیں تو امام صاحب باہر تشریف لاتے اور حسب ضرورت ہر ایک کو فتویٰ دیتے۔ اور اگر وہ کہتے کہ ہم حدیث پڑھنے کے لیے حاضر

ہوئے ہیں تو امام صاحب فرماتے تشریف رکھیے میں ابھی آتا ہوں۔ پھر آپ غسل خانہ میں داخل ہوتے، غسل کرتے، خوشبو لگاتے، نئے کپڑے پہنتے اور سر پر لمبی ٹوپی رکھ کر عمامہ باندھتے اتنے میں مجلس میں شاہ نشین بچھائی جاتی تب آپ نہایت وقار، تواضع اور انکساری کے ساتھ تشریف لاتے۔ مجلس میں جا بجا عود اور اگر کی انگلیٹھیاں جلائی جاتیں جو درس حدیث ختم ہونے تک برابر سلگتی رہتیں۔

آپ کی مجلس میں کسی کے لیے جگہ خالی نہیں کرائی جاتی تھی اور نہ کسی کو بلند مقام پر بٹھانے کی ضرورت سمجھی جاتی تھی۔ آنے والا خواہ کوئی ہو جہاں جگہ پاتا وہیں بیٹھتا۔ ہاں درس حدیث میں ہونہار، مستعد اور سمجھ دار تلامذہ کو اپنے قریب بیٹھنے کا حکم دیتے تھے۔

(الدیبا ج: ص: ۲۳)

اتباع سنت:

امام صاحب سنت کے عاشق اور اس پر دل و جان سے فدا تھے۔ بدعات اور محدثات سے سخت نفرت تھی اکثر یہ شعر و زبان رہتا۔
خیر امور الدین ما کان سنۃ
و شر الامور المحدثات البدائع
”دین کے بہترین کام وہ ہیں جو سنت سے ثابت ہیں
بدترین وہ ہیں جو بعد میں پیدا کر لیے گئے ہیں اور شرع میں
ان کی نظیر نہیں ملتی۔“

امام احمد فرماتے ہیں: امام مالک سفیان سے زیادہ سنت کے پابند تھے۔ اگر کسی کو امام مالک سے بغض اور دشمنی کرتے دیکھو تو سمجھ لو وہ بدعتی ہے۔ عبدالرحمان بن مہدی کہتے ہیں جب کسی مجازی کو امام مالک سے محبت کرتے دیکھو اور اسے سنت کا شیدائی سمجھو۔

(تقدمہ، ص: ۲۵)

حدیث سن کر اپنے مسلک سے رجوع:

امام صاحب کوئی فتویٰ دیتے مگر بعد میں معلوم ہوتا کہ وہ سنت کے خلاف ہے تو فوراً اس سے رجوع کرتے اور سنت رسول ﷺ کو اپنا معمول بناتے۔ احمد بن عبدالرحمان کے چچا کہتے ہیں کہ ایک دفعہ

”یعنی جھگڑے اور کج بخشی سے نور علم بجھ جاتا ہے۔“

کسی نے پوچھا سنت کی مدافعت میں جھگڑا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ فرمانے لگے نہیں۔ سنت بیان کر دو اگر قبول کر لی جائے تو بہتر ورنہ خاموش ہو جاؤ۔ ان کا اپنا معمول یہ تھا کہ اگر کوئی بدعتی ان سے جھگڑا کرنے کی کوشش کرتا تو فرماتے میں اپنے مسلک پر مطمئن ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی حجت پر مجھے شرح صدر حاصل ہے۔ تمہیں شک ہے کسی اپنے جیسے شکی کے پاس جاؤ اور اس سے جھگڑا کرو۔

(الدریاج، ص: ۲۳)

معن بن عیسیٰ کہتے ہیں ایک دن امام صاحب میرے کندھے کا سہارا لیے ہوئے مسجد سے نکلے، راستے میں مرجعہ فریقے کا ایک شخص ملا کہنے لگا اے ابو عبد اللہ! ذرا ٹھہریے میں اپنے مسلک کے کسی مسئلے میں آپ سے بحث کرنا چاہتا ہوں۔ امام صاحب بولے اگر تم مجھ پر غالب آگئے تو پھر کیا ہوگا؟ بولا! آپ میرے پیچھے لگ جائیں۔ امام صاحب نے فرمایا اور اگر میں غالب آ گیا تو؟ وہ بولا پھر میں آپ کے پیچھے لگ جاؤں گا۔ امام صاحب نے کہا اگر کوئی تیسرا شخص ہم دونوں پر غالب آ جائے تو پھر؟ کہنے لگا پھر ہم اس کی بات مان لیں گے۔ امام صاحب بولے اللہ تعالیٰ نے تو محمد ﷺ کو ایک دین دے کر بھیجا ہے۔ اور تم اسے بار بار بدلنے کے لیے تیار ہو، یہ کہا اور آگے چل دیے۔ (الانقاء لابن عبد البر، ص: ۳۳)

یہی معن کہتے ہیں ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید حج کو جاتے ہوئے مدینہ منورہ آیا۔ قاضی ابو یوسف بھی اس کے ساتھ تھے۔ امام صاحب خلیفہ کی ملاقات کے لیے آئے۔ ہارون بڑی تعظیم سے پیش آیا اور امام صاحب کو اپنے پاس بٹھالیا۔ جب امام صاحب اطمینان سے بیٹھ گئے تو ابو یوسف نے آپ سے کوئی مسئلہ پوچھا۔ امام صاحب نے جواب نہ دیا۔ ابو یوسف نے دوبارہ پوچھا۔ آپ پھر بھی خاموش رہے۔ اس پر ہارون نے کہا۔ اے ابو عبد اللہ! یہ ہمارے قاضی ابو یوسف ہیں جو آپ سے مسئلہ دریافت کر رہے ہیں۔ تب امام صاحب ابو یوسف کی طرف متوجہ ہو کر بولے: اے جی حضرت!

کسی نے امام صاحب سے وضو کرتے وقت پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنے کے متعلق مسئلہ پوچھا۔ فرمایا خلال کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس وقت تو میں خاموش ہو رہا۔ جب ازدحام کم ہوا تو میں نے کہا اس مسئلے میں ہمارے پاس حدیث موجود ہے۔ فرمانے لگے کون سی حدیث؟ میں نے کہا مستورد بن شداد کہتے ہیں میں نے آنحضرت ﷺ کو چھنگلیا کے ساتھ پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرتے دیکھا ہے۔ بولے میں نے آج تک یہ حدیث نہیں سنی، بعد میں جب ان سے یہ مسئلہ پوچھا جاتا تو انگلیوں میں خلال کا حکم دیا کرتے تھے۔

(تقدمہ، ص: ۳۱)

فتویٰ دینے میں احتیاط:

امام صاحب کو جب کسی مسئلے میں تردد ہوتا تو فتویٰ دینے سے انکار کر دیتے تھے۔ بلا تحقیق الثا سیدھا جواب دے کر مسائل کو غلط راہ پر ڈالنا سخت ناپسند تھا۔ عبد الرحمن بن مہدی فرماتے ہیں ایک دن ہم امام صاحب کی مجلس میں بیٹھے تھے ایک شخص آ کر کہنے لگا اے ابو عبد اللہ! مجھے گھر سے چلے ہوئے چھ مہینے ہو گئے۔ مجھے میری قوم نے آپ سے ایک مسئلہ پوچھنے کے لیے بھیجا ہے۔ امام صاحب نے فرمایا: پوچھیے۔ اس نے چند مسائل پوچھے۔ امام صاحب بولے: ”میں ان مسائل کا صحیح جواب نہیں دے سکتا وہ شخص بڑا مایوس ہوا۔ وہ سمجھتا تھا کہ میں ایک ہمہ دان شخص کے پاس آیا ہوں۔ لیکن امام صاحب کا جواب سن کر بڑا گھبرایا اور کہنے لگا: ”میں اپنے ملک میں جا کر اپنی قوم کو کیا جواب دوں گا؟ امام صاحب نے فرمایا جا کر کہہ دینا کہ مالک کہتا ہے میں ان چیزوں کا صحیح جواب نہیں دے سکتا۔“

(تقدمہ، ص: ۱۸، تہذیب الاسماء والصفات: ۷۸/۲)

بحث وجدال سے نفرت:

امام صاحب کو بحث و مناظرہ اور جھگڑا و فساد سے سخت نفرت تھی۔ فرمایا کرتے تھے:

”المراء والجدال فی العلم یذهب بنور العلم من قلب العبد۔“

”اذا رأيتني جلست لأهل الباطل فتعال أجبك معهم.“ (تذكرة الحفاظ للذهبي)
 ”جب مجھے اہل باطل کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لیے بیٹھا دیکھو تو وہاں آ جانا تمہیں بھی ان کے ساتھ جواب دوں گا۔“
 امام مالک سے اہل کوفہ کا شغف:
 امام شافعی فرماتے ہیں:

”كان محمد بن الحسن يقول سمعت من مالك سبع مائة حديث ونيفا الى الثمان مائة لفظا وكان اقام عنده ثلاث سنين او شبيها بثلاث سنين وكان اذا وعد الناس ان يحدثهم عن مالك متلاً الموضع الذي هو فيه وكثر الناس عليه واذا حدث عن غير مالك لم ياته الا النفي فقال لهم لو اراد احد ان يعيبكم باكثر مما تفعلون ما قدر عليه ، اذا حدثتكم عن اصحابكم فانما ياتيني النفي اعرف فيكم الكراهة واذا حدثتكم عن مالك متلاً على الموضع .“

(تقدمة الجرح والتعديل، ص: ٤)

”امام محمد تقریباً تین سال آپ کے پاس تحصیل علم میں مصروف رہے۔ کہا کرتے تھے میں نے امام مالک سے آٹھ سو تک احادیث سنی ہیں کوفہ میں آ کر جب آپ لوگوں سے امام مالک کا مسلک بیان کرنے کا وعدہ کرتے تو اس کثرت سے لوگ درس میں شریک ہوتے کہ مجلس درس میں تل دھرنے کی جگہ باقی نہ رہتی۔ اور اگر وہ اپنے مشائخ کوفہ کے مسلک پر درس دینے کے لیے کہتے تو سوائے معدودے چند اشخاص کے درس میں آنے کا کوئی قصد نہ کرتا۔ یہ صورت حال دیکھ کر امام محمد نے کہا: اے اہل کوفہ! اگر کوئی دوسرا شخص تمہارے مسلک کے عیوب بیان کرے تو وہ اسے اس سے

زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتا جتنا کہ خود تم اسے اپنے طرز عمل سے پہنچا رہے ہو۔ یہ کیا غضب ہے کہ جب میں تمہیں تمہارے مشائخ کے مسلک کا درس دینے کے لیے کہتا ہوں تو سوائے چند آدمیوں کے مجلس درس میں کوئی آنے کا نام نہیں لیتا اور جو آتے ہیں وہ بھی نہایت بددلی اور کور ذوق کا ثبوت دیتے ہیں۔ اور جب میں امام مالک کے مسلک کا درس دیتا ہوں تو اس قدر ہجوم ہوتا ہے کہ حلقہ درس میں ایک آدمی کی بھی گنجائش نہیں رہتی۔“

امام ابوحنیفہ کی عقیدت:

یہ تو عوام کا حال تھا۔ خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو امام مالک رحمہ اللہ سے بہت عقیدت تھی۔ اور ان کو باقی ائمہ پر ترجیح دیتے تھے۔ ابراہیم بن طہمان کہتے ہیں میں مدینہ منورہ آیا۔ اور وہاں کے علماء سے سرمایہ علم جمع کیا۔ پھر میں کوفہ گیا اور امام ابوحنیفہ سے ان کے گھر جا کر ملاقات کی اور سلام عرض کیا۔ فرمانے لگے: آپ نے مدینہ میں کن کن لوگوں سے علم لکھا؟ میں نے اساتذہ کے نام بتائے۔ اور فرمایا امام مالک سے بھی کچھ لکھا ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا: کہنے لگے: ”جو کچھ امام مالک سے لکھ کر لائے ہو وہ میرے پاس لے آؤ۔“ چنانچہ میں اپنی کتابیں ان کے پاس لے آیا۔ انہوں نے قلم دوات منگوائی اور امام مالک کی جملہ احادیث تحریر کیں۔ (تقدمہ، ص: ۳)

مذکورہ بالا شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک کا مسلک اپنی صحت اور اقرب الی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہونے کی وجہ سے اہل کوفہ تک کے لیے باعث کشش رہا ہے۔ یقیناً یہ امام مالک رحمہ اللہ کا ہی اثر ہے کہ ان سے علم حدیث پڑھ کر امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما نے اپنے مسلک کے دو تہائی مسائل چھوڑ دیے اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق عمل کرنے کا فتویٰ دیا۔

ابتلاء و امتحان:

اموی حکومت کا تختہ الٹنے کے بعد عنان حکومت خاندان عباسیہ کے ہاتھ آ گئی۔ اس کے پہلے خلیفہ ابوالعباس سفاح نے اموی افراد کو

صاحب کی عزت میں کوئی فرق نہ آیا۔ بلکہ آپ کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔ آپ کا احترام لوگوں کے دلوں میں بڑھ گیا جیسے یہ کوڑے، کوڑے نہیں تھے بلکہ زیور تھے جو آپ کی شان میں بیش از بیش اضافے کا باعث ہوئے۔

حکم و عفو:

اُدھر وہ حال تھا اُدھر یہ حال ہے کہ جب کوڑے برس رہے تھے آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے:

”اللهم اغفر لهم فإنهم لا يعلمون.“

”خدا یا! انہیں معاف کر دے یہ حقیقت حال سے ناواقف ہیں۔“

جسم مبارک پر اس شدت سے کوڑے برسائے گئے کہ آپ بے ہوش ہو گئے۔ ہوش آنے پر لوگوں کا ہجوم دیکھ کر فرمانے لگے:

”أشهدكم اني قد جعلت ضاربي في حل.“

”گواہ رہو میں نے سزا دینے والے کو معاف کر دیا ہے۔“

بعد میں جب منصور نے اس ہتک آمیز سلوک پر اپنی لاعلمی اور نفرت کا اظہار کیا اور امام صاحب کو جعفر بن سلیمان سے قصاص لینے کا حکم دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”أعوذ بالله! والله ما ارتفع منها سوط من

جسمي الا وانا قد اجعله في حل من ذلك

الوقت لقراءة من رسول الله ﷺ.“

(الديباج، ص: ۲۸)

”خدا کی پناہ! اللہ کی قسم! اپنے جسم پر ہر کوڑہ لگنے کے بعد میں

اسی وقت اسے رسول اللہ ﷺ کی قرابت کی وجہ سے اسے

معاف کر دیتا تھا۔“

عبادت:

امام صاحب بڑے عبادت گزار اور شب زندہ دار تھے۔ جب فرصت ملتی یا دُخدا اور تلاوت قرآن حکیم میں مصروف ہو جاتے۔ ایک دفعہ آپ کی ہمیشہ سے کسی نے پوچھا: ”گھر میں امام صاحب کا شغل

چین چن کر موت کے گھاٹ اتارا۔ اور انہیں اس قدر پامال کیا کہ آئندہ ان کی طرف سے حصول اقتدار کی ادنیٰ سے ادنیٰ کوشش کا خطرہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ٹل گیا۔ اس کے بعد دوسرے خلیفہ منصور کو علویوں کی طرف سے پریشانی لاحق ہوئی۔ اس نے یہ سوچ کر کہ مبادا وہ آگے چل کر کسی وقت اس کے یا اس کے جانشینوں کے لیے خطرہ بن جائیں انہیں دبانا شروع کیا اور انہیں طرح طرح کے ظلم و ستم کا تجربہ مشق بنایا۔ اُس کے اس جاہلانہ رویے سے تنگ آ کر محمد بن عبد اللہ المعروف بہ نفس زکیہ نے ۱۴۵ھ میں اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ لوگوں نے اس کا ساتھ دیا مگر شکست کھائی۔ بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ اس کے بعد اس کے بھائی ابراہیم نے اس تحریک کی قیادت کی لیکن وہ بھی ناکام رہا۔

اس تحریک میں امام مالک کی ہمدردیاں نفس زکیہ کے ساتھ تھیں۔ اور بعض روایات کے مطابق لوگوں کو اس کی بیعت کی ترغیب دی۔ جب انھوں نے منصور کی بیعت کا عذر کیا تو امام صاحب نے فرمایا: ”وہ بہ جبر واکراہ لی گئی ہے۔ اس لیے اس کا ایفا لازم نہیں۔“ اس پر منصور نے حدیث لیس علی مستکرہ طلاق (یعنی جبری طلاق واقع نہیں ہوتی) کے بیان کرنے سے روک دیا۔ کیونکہ اس کا بیان کرنا مفاد حکومت کے سراسر خلاف تھا۔ اور گورنر مدینہ جعفر بن سلیمان نے جو خلیفہ کا عم زاد تھا امام صاحب کو اس حدیث کی نشر و اشاعت سے سختی کے ساتھ منع کیا۔ مگر امام صاحب اظہار حق سے کس طرح باز رہ سکتے تھے؟ وہ برابر اس کی منادی کرتے رہے یہ دیکھ کر جعفر سخت برہم ہوا۔ اور اس نے امام صاحب کی اس قدر زور سے کس کر مشکیں باندھیں کہ ان کے دونوں بازوؤں کندھوں سے اکھڑ گئے۔ پھر ستر درے لگا کر تشہیر کے لیے تمام شہر میں پھرایا۔ امام صاحب فرماتے تھے: ”جو مجھے جانتا وہ جانتا ہے اور جو نہیں جانتا اسے معلوم ہو جانا چاہیے کہ میں مالک بن انس ہوں فتویٰ دیتا ہوں کہ جبری طلاق واقع نہیں ہوتی۔“ (الديباج، ص: ۲۸، حیات مالک سید سلیمان ندوی، ص: ۵۷، الاثقاء لابن عبد البر، ص: ۴۴) یہ واقعہ ۱۴۶ھ کا ہے۔ اس ظلم و ستم اور ہتک آمیز سلوک سے امام

کیا ہوتا ہے؟“ فرمائے زلیکس: ”المصحف والتلاوة“۔ یعنی قرآن کریم اور اس کی تلاوت۔ (تقدمہ، ص: ۱۸) فیاضی:

تلامذہ:

یہ عالم مدینہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی خصوصیت ہے کہ ان کے تلامذہ کی فہرست عالم اسلام کے مایہ ناز مختلف النوع چوٹی کے افراد پر مشتمل ہے۔ ان میں خلفاء، امراء، ائمہ محدثین، ائمہ مجتہدین، فقہاء، صوفیاء، ادباء، شعراء، مؤرخین اور مفسرین سبھی قسم کے لوگ موجود ہیں اور ان میں سے ہر شخص اپنے وقت اور اپنے اپنے ماحول میں آفتاب نصف النہار بن کر چمکا ہے۔ امام صاحب کے بغیر کوئی ایسی مثال پیش نہیں کی جاسکتی جس کے حلقہ درس سے اتنے مختلف طبقات کے اعلیٰ درجہ کے انسان مستفید ہوئے ہوں۔

مندرجہ ذیل اصحاب خصوصیت سے قابل ذکر ہیں:

خلیفہ مہدی، ہادی، ہارون الرشید اور مامون الرشید جیسے باجروت خلفاء۔ یحییٰ بن سعید قطان، یحییٰ بن بکیر، یحییٰ بن یحییٰ مصمودی ناخ موطأ، وکیع بن جراح، سلیمان اعمش، لیث بن سعد، عبد الرحمان بن مہدی اور ابن جریج وغیرہ کبار محدثین۔ امام ابو حنیفہ کوئی، امام شافعی، امام ابو یوسف اور امام ابن قاسم رحمہم وغیرہ مجتہدین عظام۔ حسن بن زیاد، عبد اللہ بن وہب، ابراہیم بن ادھم، بشر خانی صوفیائے کرام۔ ابوالعتاہیہ و عبد اللہ بن شاعر، امام لغت و ادب اصمعی، موسیٰ بن عقبہ صاحب المغازی، محمد بن عمرو و اقدی جیسے مؤرخین اور مقاتل بن سلیمان وغیرہ مفسرین۔ یہ بھی امام صاحب کا امتیاز ہے کہ ان کے نام و رشیوخ جن کا شمار کبار تابعین میں ہوتا ہے، ان کے تلامذہ کی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ مثلاً امام ابن شہاب زہری، یحییٰ بن سعید انصاری، جعفر صادق اور عبد اللہ بن دینار وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

اولاد:

امام صاحب کے تین لڑکے یحییٰ، محمد، حماد تھے اور ایک لڑکی جس کا

امام صاحب نے جہاں علم و عرفان کے دریا بہائے اور ہر کس و ناکس کے سینے کو معرفت حق سے معمور کیا وہاں آپ زور و دولت کے لٹانے میں بھی بڑے فیاض تھے۔ ایک دفعہ آپ امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھ گھوڑوں کے اصطبل کا معائنہ کر رہے تھے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے بعض گھوڑوں کی تعریف کی۔ امام صاحب نے تمام اصطبل ان کی نذر کر دیا۔ ہر سال امام شافعی کو گیارہ ہزار دینار مرحمت فرمایا کرتے۔ (تواریک التائیس، بحوالہ حیات مالک، ص: ۷۳)

خزائن علم تقسیم کرنے کا اشارہ:

خلف بن عمر کہتے ہیں میں ایک دفعہ امام مالک کی مجلس میں شریک تھا مدینہ منورہ کے مشہور قاری ابن کثیر آئے اور امام صاحب کو ایک رقعہ دیا جسے آپ نے پڑھ کر مصلے کے نیچے رکھ دیا۔ اختتام مجلس پر جب لوگ جانے لگے تو میں بھی جانے کے لیے اٹھا۔ امام صاحب نے کہا: ”خلف! ذرا ٹھہرو۔“ پھر وہ رقعہ مجھے دیا اس میں تحریر تھا: ”میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے یہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں۔ آپ کے چاروں طرف لوگ بیٹھے ہیں جو کہہ رہے ہیں یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں کچھ عنایت کیجیے۔ ہمارے لیے حکم فرمائیے۔ آپ نے جواب دیا: میں نے منبر کے نیچے بہت بڑا خزانہ دفن کیا ہے اور مالک کو اسے تمہارے درمیان تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کے پاس جاؤ۔ چنانچہ وہ واپس آئے اور ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کیا خیال ہے مالک کیا طریقہ اختیار کرے گا؟ دوسرے جواب دیتے تھے۔ امام مالک رسول اللہ ﷺ کے حکم کی ضرورتیں کریں گے۔“

میں نے دیکھا امام صاحب پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ زار

① تذکرۃ الحفاظ: ۱۹۵/۱ میں اشہب بن عبد العزیز سے مروی ہے: ”رايت ابا حنيفة بين يدى مالك كالصبي بين يدي ابيه.“ حافظ ابن عبد البر نے الانتقاء اور

سید سلیمان صاحب نے حیات مالک میں بھی اس کا ذکر فرمایا ہے۔

صاحب کو موطاً چالیس دن میں سنا دیا۔ فرمانے لگے: ”میں نے یہ کتاب چالیس سال میں تالیف کی ہے اور تم نے اسے چالیس دن میں پڑھ لیا ہے۔ تم نے اسے بہت کم سمجھنے کی کوشش کی ہے۔“ بہت سے اہل علم اسے صحیحین کے پائے کی کتاب سمجھتے ہیں۔

۲: **رسالة إلى الرشيد:** اس میں امام صاحب نے خلیفہ ہارون رشید کو وعظ و نصیحت کی ہے۔

۳: **رسالة في القدر والرد على القدرية:** مسئلہ تقدیر میں بہترین کتاب ہے جو آپ کے معلومات پر دلالت کرتی ہے۔

۴: **كتاب في النجوم ومنازل القمر:** علم نجوم میں بڑی مفید کتاب ہے جسے بعد کے لوگوں نے بطور ماخذ استعمال کیا ہے۔

۵: **كتاب الاقضية:** بعض قاضیوں کے لیے۔ دس جلدوں میں تصنیف کی۔

۶: **كتاب في التفسير لغريب القرآن:** قرآن حکیم کے مشکل الفاظ کے حل میں تحریر فرمائی ہے۔

۷: **رسالة الى ابي غسان محمد بن مطرف:** فتاویٰ کی مشہور کتاب ہے۔

۸: **المدونة الكبرى:** یہ امام صاحب کی اپنی تصنیف نہیں بلکہ آپ کے ملفوظات فقہیہ ہیں جنہیں آپ کے شاگرد رشید عبد الرحمن بن قاسم نے مدون کیا تھا۔

۹: **مسائل مالك:** خطیب بغدادی، ابوالعباس سراج نیشاپوری سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے پاس رکھی ہوئی چند کتابوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ”یہ امام مالک کے ستر ہزار مسائل کا مجموعہ ہے۔“

نوٹ: یہ فہرست الدیباچ المذہب لابن فرحون سے لی گئی ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے حیات مالک میں چند اور کتابوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ من شاد الاطلاع فلیرجع الیہ۔

وفات:

امام صاحب التوار کے دن بیمار ہوئے۔ تین ہفتہ تک مرض کی

نام فاطمہ تھا۔ بعض اقوال میں ام البنین لکھا ہے۔ زبیری کہتے ہیں امام صاحب کی ایک لڑکی موطاً کی حافظہ تھیں۔ جب موطاً کا سبق شروع ہوتا تو وہ دروازے کی اوٹ میں کھڑی ہو جاتیں۔ قاری کی غلطی پر دروازہ کھٹکھٹاتیں۔ امام صاحب متنبہ ہو جاتے اور قاری کی غلطی کی اصلاح فرماتے۔

بچہ امام صاحب سے موطاً کا ایک نسخہ روایت کرتے ہیں جو بلاد یمن میں رائج تھا۔ امام صاحب کے دوسرے صاحب زادے محمد مصر چلے آئے تھے۔ حارث بن سکیان ان سے روایت کرتے ہیں۔ محمد کے بیٹے احمد کا اپنے جد امجد امام مالک سے سماع ثابت ہے۔ حماد کی تعلیمی کیفیت معلوم نہیں ہو سکی۔

تصانیف:

امام صاحب نے تعلیم و تدریس کے ذریعے مسلسل ۶۰ سال تک ملت اسلامیہ کی ایسی شان دار خدمت سرانجام دی کہ آپ کے زیور علم سے عالم اسلام کا چہرہ چہرہ اور گوشہ گوشہ جگمگا اٹھا آپ کے فیض یافتہ ہر ہر بستی اور ہر شہر میں پہنچ گئے اور جگہ جگہ قال اللہ وقال الرسول کا غلغلہ بلند ہوا۔ لاتعداد بندگانِ خدا نے کتاب و سنت کی تعلیم سے اپنے قلب و روح کو تازگی بخشی۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ آپ کا فیض عالم تعلیم و تدریس تک ہی محدود رہا بلکہ آپ اپنے پیچھے نہایت بیش قیمت اور جلیل القدر متعدد تصانیف بھی بطور یادگار چھوڑ گئے ہیں۔ ان میں سے ہر کتاب آپ زور سے لکھنے کے قابل ہے۔

مختصر فہرست درج ذیل ہے:

۱: **موطاً:** یہ امام صاحب کی وہ مشہور عالم اور مایہ ناز تصنیف ہے جس کے تہذیب و تنقیح میں چالیس سال صرف ہوئے اور آپ نے تقریباً ہر سال اپنے تلامذہ کو اس کا درس دیا۔ قریب قریب تمام تلامذہ آپ سے اس کی روایت کرتے ہیں۔ مگر موطاً کا عام مروج نسخہ آپ کے سب سے آخری شاگرد امام یحییٰ بن یحییٰ مصمودی اندلسی کا روایت کردہ ہے۔ جتنی محنت آپ نے اس کتاب پر کی دوسری کسی کتاب پر نہیں کی۔ صفوان بن عمر کہتے ہیں: ہم نے امام

فرمایا اسلام کی بنیادیں ہل گئیں۔ وہ ہدایت کا امام زندگی بھر علم دین کی حفاظت کرتا رہا۔ قیامت تک اس کی قبر پر اللہ کی رحمت کا نزول ہو۔“

میں نے اسی وقت چراغ روشن کیا اور یہ دونوں شعر لکھ لیے اور صبح کو امام صاحب کی وفات حسرت آیات کی روح فرسا خبر سنی۔
تجہیز و تکفین:

امام صاحب کو امین کنانہ اور ابن ابی الزبیر نے غسل دیا۔ آپ کے صاحب زادے تکی اور آپ کے کاتب حبیب نے پانی ڈالا۔ فراغت کے بعد آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو سفید کفن دیا گیا۔ گورنر مدینہ عبدالعزیز بن محمد نے نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر جنت البقیع میں آپ کے جسد مبارک کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ تغمده اللہ برحمته۔

شدت میں کوئی تخفیف نہ ہوئی بالآخر ۸۶ سال کی عمر میں اتوار کے روز ۱۱ ربیع الاول ۱۷۹ھ کو عالم اسلام کا یہ نیر اعظم مدینہ منورہ میں ہارون الرشید کے عہد حکومت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ آخری کلمہ ﴿لِلّٰهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ بَعْدُ﴾ [الروم: ۴] زبان سے نکلا اور طائر روح قفس عصری سے عالم بالائی طرف پرواز کر گیا۔ انسا للہ وانا الیہ راجعون۔

عمر بن تکی کہتے ہیں جس روز امام صاحب کا انتقال ہوا میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے۔

لقد أصبح الاسلام زعزاع ركنه
غداة ثوى الهادي لدى ملحد القبر
امام الهدى ما زال للعلم صائنا
عليه سلام الله فى آخر الدهر
”جس روز پیشوا و ر ہادی (امام مالک) نے قبر میں آرام

بقیہ: اسلام اور جنسی مساوات

”پس (یاد رکھو! اصل اس باب میں یہ ہے کہ) جس کسی نے نیک کام کیے، اور وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے تو اس کی کوشش اکارت جانے والی نہیں۔ ہم اس کی نیکیاں لکھنے والے (موجود) ہیں۔“

اخلاق و روحانیت کے تمام مدارج مرد اور عورت دونوں کے لیے یکساں کھلے ہوئے ہیں:

﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَنَاتِ وَالْقَنَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِغِينَ وَالصَّائِغَاتِ وَالْحَفِظِينَ وَالْحَفِظَاتِ وَالذَّكِرِينَ اللَّهُ كَفِيرًا وَالذَّكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ [الاحزاب: ۳۵]

”(جو لوگ اللہ کے آگے سراطاعت ختم کرنے والے ہیں، یعنی) مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، فروتنی کرنے والے مرد اور فروتنی کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں، کچھ شک نہیں اللہ نے ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔“

کن لوگوں کے اور کون سے اعمال مقبول ہیں

خطبہ جمعہ: مولانا حافظ عبدالمنان نور پوری رحمہ اللہ

مرتب: عبدالواحد گوندل

رفاء عامہ وغیرہ کے بعض کام۔ ان آیات میں واضح کیا گیا ہے کہ آخرت میں اُن کو ان اعمال کا کوئی اجر نہیں ملے گا۔

رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مشرک اور کافر کو نیک اعمال کا آخرت میں کچھ نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی اُن کو بعض صورتوں میں اُن کے اعمال کا صلہ دے دیتے ہیں۔

اُن کے اعمال راکھ کی مانند ہیں جن کو آندھی اور سیلاب بہا کر ختم کر دیتا ہے یا بھٹ اور سراب کی طرح ہیں کہ پیاسے کو ریگستان میں چسکتی ہوئی ریت پانی معلوم ہوتی ہے وہاں جاتا ہے وہاں پانی نہیں موت اس کا استقبال کرتی ہے۔ اسی طرح کفار اور مشرکین کے اعمال کا حال ہے:

﴿لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا﴾ [البقرة: ۲۶۴]

”وہ اس میں سے کسی چیز پر دسترس نہیں پائیں گے جو انھوں نے کمایا۔“

اعمال تین قسم کے ہیں: بدنی، زبانی، مالی۔

ان کی قبولیت کے لیے چار شرطیں ہیں، یہ شرائط ہوں گی تو اعمال مقبول ہوں گے ورنہ اعمال رد کر دیے جائیں گے:

۱۔ ایمان:

خالص ایمان سے ہی اعمال قبولیت کا شرف حاصل کر سکتے ہیں۔ کفر اور شرک سے اعمال باطل ہو جاتے ہیں۔

[البقرة: ۲۱۷، التوبة: ۱۷]

اولاد آدم میں سب سے زیادہ نیک و پاک انبیاء ہیں۔ ان سے

مسنون خطبہ کے بعد آپ نے فرمایا: سورہ ابراہیم (آیت: ۱۷) میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَى شَيْءٍ ذَلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ﴾

[ابراہیم: ۱۸]

”ان لوگوں کی مثال جنھوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا، ان کے اعمال اس راکھ کی طرح ہیں جس پر آندھی والے دن میں ہوا بہت سخت چلی۔ وہ اس میں سے کسی چیز پر قدرت نہ پائیں گے جو انھوں نے کمایا، یہی بہت دور کی گمراہی ہے۔“

سورہ النور (آیت: ۳۹) میں فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهَ عِنْدَهُ فُوفَاتًا حِسَابَهُ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾

[النور: ۳۹]

”اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، ان کے اعمال کسی چٹیل میدان میں ایک سراب کی طرح ہیں، جسے پیاسا پانی خیال کرتا ہے، یہاں تک کہ جب اس کے پاس آتا ہے تو اسے کچھ بھی نہیں پاتا اور اللہ کو اپنے پاس پاتا ہے تو وہ اسے اس کا حساب پورا چکا دیتا ہے اور اللہ بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔“

کافر اور مشرک بعض اچھے کام بھی کرتے ہیں، مثلاً: خیرات اور

بھی شرک ہو جاتا تو ان کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے:

﴿لَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

[الانعام: ۸۸]

”اگر یہ لوگ شریک بناتے تو یقیناً ان سے ضائع ہو جاتا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔“

مشرکین مکہ حاجیوں کی خدمت کرتے تھے، پانی کھانا، رہائش وغیرہ کا بندوبست کرتے تھے ان کے ان اعمال کا تذکرہ کر کے اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا ہے کہ ان کی اس کارکردگی کا ان کو کچھ بھی آخرت میں حاصل نہ ہوگا۔ اس میں بدنی، زبانی، مالی سب عبادات شامل ہیں۔ ایمان ہوگا تو اجر ملے گا۔

۲۔ حلال مال:

مالی عبادات: زکاۃ، صدقات، قربانی، حج و عمرہ وغیرہ اعمال کو انجام دینے کے لیے اگر حلال اور جائز ذرائع سے حاصل شدہ مال خرچ کیا جائے گا تو یہ اجر کا باعث ہوں گے ورنہ رد کر دیے جائیں گے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا مِنْ طَبِئَتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾

[البقرة: ۲۶۷]

”اے ایمان دارو! اپنی پاکیزہ کمائی خرچ کرو۔“

پس طیب، حلال، پاکیزہ مال سے ہی یہ اعمال مقبول ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ خود طیب (پاک) ہے طیب عمل ہی قبول کرتا ہے۔

سورۃ فاطر (آیت: ۱۰) میں فرمایا:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ﴾

[الفاطر: ۱۰]

”اے عزت کے متلاشیو! عزت ساری اللہ کے قبضے میں

ہے اچھی باتیں اور اچھے کام اسی کے پاس جاتے ہیں۔“

یعنی پاکیزہ اعمال اور نیک اعمال والوں کے درجات بھی وہی بلند کرتا ہے۔ مالی عبادات حلال مال سے ہی درجات کو بلند کریں گی اور

مقبول ہوں گی۔ خبیث اور ناپاک مال والی رد کر دی جائیں گی۔ جس شخص کا کھانا، پینا اور غذا جس سے اس کی پرورش ہوئی اگر حرام سے ہے تو اس کی دعا بھی قبول نہیں۔ خواہ وہ بیت اللہ جا کر گر گڑا رہا ہو۔

۳۔ اخلاص:

اعمال کی قبولیت کے لیے تیسری شرط اخلاص ہے۔ عمل خالص اللہ کے لیے ہو۔ نیت میں خلل نہ ہو۔ لوگوں کو خوش کرنے کے لیے نہ ہو۔ اگر وہ کسی خاص فرد کی رضا کا طالب ہو تو یہ عمل قبول نہ ہوگا۔ جیسے نبی ﷺ نے فرمایا: ”اعمال کی جزاء کا دار و مدار نیت پر ہے۔“ ہجرت بڑے درجے کا عمل ہے لیکن اگر اس میں بھی دنیا کا فائدہ چاہتا ہے تو یہ بھی رد کر دی جاتی ہے۔

مخلصین لہ الدین کے الفاظ سے اس کی خوب وضاحت ہوتی ہے۔ عبادات میں اخلاص نہیں تو حاصل کچھ نہیں۔ جیسے فرمایا:

﴿قُلْ إِنْ صَلَّيْتُمْ وَنُسَكِيتُمْ وَمَتَّيْتُمْ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ [الانعام: ۱۶۲]

”کہہ دے بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے، جو جہانوں کا رب ہے۔“

تمام عبادات اللہ رب العالمین کی خاطر ہوں۔ یہی مومن کی شان اور نشانی ہے۔ قربانی رب کی خاطر اور حلال مال سے ہو:

﴿لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤها وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ﴾ [الحج: ۳۷]

”اللہ تعالیٰ تک تمہاری قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں تمہارا تقویٰ یعنی خلوص نیت پہنچتا ہے۔“

حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں نے قربانی کی ایک کی قبول اور دوسرے کی رد کر دی گئی۔ جس کی قبول ہوئی تھی اس نے بھائی کو عرض کی تھی تُو میری زندگی کے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے قربانی تقوے سے مقبول ہوتی ہے تُو اپنے اندر تقویٰ پیدا کر میرے قتل کے درپے نہ ہو۔ صحیح مسلم میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے

سکہ جعلی قرار پائے گا۔
تو عزیزو! ایمان، اخلاص، مال طیب اور سنت نبوی کی چاروں شرائط ہوں گی تو اعمال قبول ہوں گے۔

چہروں کو نہیں دیکھتے کہ کون خوب صورت ہے یا کمتر بلکہ تمہارے دلوں کو ملاحظہ کرتے ہیں۔ دل میں کیا ارادہ ہے؟ اللہ تعالیٰ کی نگاہ دل پر ہے شکل پر نہیں۔

۴۔ اتباع سنت:

ہر عمل اگر رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق ہوگا تو عمل قبول ہوگا ورنہ رد کر کے منہ پر مار دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے:

﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ [محمد: ۳۳]
”اللہ کا حکم مانو اور اس رسول کا حکم مانو اور اپنے اعمال باطل مت کرو۔“

تو حضور ﷺ کے حکم کے مطابق اور آپ ﷺ کے طریقے کے مطابق کیا ہوا عمل، مقبول ہوگا ورنہ باطل ہوگا۔ کیونکہ مدینہ طیبہ کی ٹکسال سے ہی بنا ہوا سکھ کھرا ہے کسی اور جگہ یا شخص کے باشد کا بنایا ہوا

دو اساتذہ کی ضرورت

دارالحدیث اوکاڑا میں دو فاضل نوجوان محنتی قابل اساتذہ جو کہ درس نظامی فاضل وفاق و کم از کم ایف۔ اے، بی۔ اے کمپیوٹر کی تعلیم کے حامل ہوں۔ اپنی درخواست مع تعلیمی کوائف جلد درج ذیل پتا پر ارسال کریں۔ فون پر رابطہ بھی کر سکتے ہیں۔

انٹرویو کے لیے بعد میں ٹائم دیا جائے گا۔

(عبداللہ یوسف، ناظم دارالحدیث، ساہیوال روڈ، اوکاڑا

فون: 0312-4403173)

علوم اسلامیہ کی معیاری اور قدیم دانش گاہ

جامعہ اسلامیہ اہل حدیث گوجرانوالہ

خصوصیات

- ☆ مکمل درس نظامی کا اہتمام
- ☆ مستند، قابل، مشفق اور علمی اساتذہ کرام
- ☆ فرقہ واریت سے بالاتر، خالص کتاب و سنت کی تعلیم
- ☆ تعلیم و تربیت اور فنِ تقریر پر خصوصی توجہ
- ☆ وفاق المدارس السننہ سے الحاق
- ☆ قیام و طعام اور علاج معالجے کا معقول انتظام
- ☆ پرسکون اور صاف ستر تعلیمی ماحول
- ☆ بہترین اور وسیع لائبریری

جامعہ میں داخلہ شروع ہے۔
طلبا جلد تشریف لائیں۔

اعلان داخلہ

محنتی اور دینی تعلیمات کا ذوق رکھنے والے طلباء جلد رابطہ کریں۔

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ اہل حدیث، 6 گلشن آباد، گوجرانوالہ

فون: 055-4239698, 0300-6430659

پروفیسر قاری محمد سعید کلروی

الذی فیہ

تبصرہ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دستخوں کا آنا ضروری ہے

۳۲

مجلہ خاتم النبیین ﷺ (ڈسکہ) کا

حضرت مولانا محمد عبداللہ گورداس پوری رحمہ اللہ نمبر

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

مجلہ خاتم النبیین ﷺ (ڈسکہ) کے مدیر اعلیٰ مولانا عبدالحفیظ مظہر صاحب ایک کہنہ مشق صحافی اور ایک متحرک شخصیت ہیں۔ تحفظ ختم نبوت ﷺ کی خاطر انھوں نے یہ مجلہ جاری و ساری رکھا ہوا ہے۔ اس کا خاص شمارہ (نمبر: ۱۰) بحریہ جون اور جولائی ۲۰۱۳ء مجاہد ختم نبوت بابائے تبلیغ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب گورداس پوری رحمہ اللہ نور اللہ مرقدہ کی حیات و خدمات کے اعتراف کے لیے شائع کیا گیا ہے۔ حضرت گورداس پوری رحمہ اللہ جماعتی سطح پر ایک مبلغ، خطیب اور مرکزی راہنما کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ بورے والا میں انھوں نے ایک طویل عرصہ گزارا، یعنی قیام پاکستان کے بعد سے تادم واپسیں بیہیں کے ہو رہے اور ان کا جنازہ بھی اسی مسجد سے اٹھایا گیا جہاں انھوں نے اپنی زندگی کی بہاریں گزار دیں۔ موصوف ایک مرتجعا مرنخ شخصیت تھے۔ روتے لوگوں کو ہنسانا اور ہنستے لوگوں کو رولانا ان کے وعظ کا حصہ رہا۔ مولانا گورداس پوری نے ابتدائی تعلیم مولانا ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی رحمہ اللہ کی مسجد میں حاصل کی تھی اور شیخ الاسلام ابوالوفا حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمہ اللہ کے خطابات و مناظروں کی سماعت انھوں نے کی تھی اور حضرت امرتسری رحمہ اللہ کی نماز جنازہ میں شمولیت کا شرف بھی انھیں حاصل تھا۔

یہی وجہ تھی کہ مولانا گورداس پوری رحمہ اللہ اپنے خطابات میں اور نجی محفلوں میں حضرت امرتسری رحمہ اللہ کے واقعات سنا کر اہل مجلس کو محظوظ فرمایا کرتے تھے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی کے پیش آمدہ واقعات کو اس پیرائے میں بیان فرماتے کہ جعلی نبوت کے داعی کی

زندگی کے گوشے اہل مجلس پر خوب کھلتے تھے۔

مولانا محمد عبداللہ گورداس پوری رحمہ اللہ خوش قسمت عالم ہیں کہ ان کے ایک صاحب زادے جناب ڈاکٹر بہاء الدین صاحب رحمہ اللہ برطانیہ جیسے ملک میں بیٹھ کر تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں بڑا واقع، جان دار و شان دار کام سرانجام دے رہے ہیں جس کی پندرہ جلدیں منصہ شہود پر آچکی ہیں۔ مزید کے لیے مواد اکٹھا ہو رہا ہے۔ اسی طرح تاریخ اہل حدیث کی ترتیب بھی ان کا نمایاں کارنامہ ہے۔ اللہ کریم انھیں صحت و عافیت سے نوازتا رہے۔ اس نمبر کا انتساب بھی انھی کے نام ہے۔

زیر تبصرہ خاص نمبر کی تیاری میں مولانا عبداللہ صاحب کے پوتے جناب سہیل احمد چوہدری کی خصوصی محنت اور جدوجہد مولانا عبدالحفیظ مظہر سے بھرپور تعاون کی صورت میں حاصل رہی۔ یوں یہ حضرت گورداس پوری رحمہ اللہ کی وفات کے کچھ ہی عرصہ بعد شائع ہو کر قارئین کے ہاتھوں میں آنے کے لیے تیار ہے بلکہ مارکیٹ میں دستیاب ہے۔ ۲۸۸ صفحات پر مشتمل یہ خاص نمبر جماعت کے کرتا دھرتا علماء، مضمون نگار حضرات، مولانا کے عقیدت مندوں کی نگارشات و خطوط اور جماعتی رسائل میں شائع شدہ تعزیتی شذروں، خبروں اور خراج تحسین پر مبنی ہے۔

ہم مبارک باد پیش کرتے ہیں کارپردازانِ مجلہ خاتم النبیین ڈسکہ کو کہ انھوں نے یہ خصوصی اشاعت مولانا کی وفات کے تقریباً ایک سال بعد ہی شائع کر کے مولانا مرحوم کی خدمات کو اجاگر کرنے کی سعی مشکور کی ہے۔

یہ خاص نمبر حاصل کرنے کے لیے ”مولانا عبدالحفیظ مظہر، عالمی تحریک ختم نبوت اہل حدیث مرکز ختم نبوت سلفیہ زنفیلی ہسپتال ڈسکہ“ پر رابطہ کیا جاسکتا ہے۔ قیمت درج نہیں۔

موبائل نمبر یہ ہیں: 0300-6126421, 6109870

طلباء علوم الحدیث کیلئے خوشخبری

بفضل اللہ تعالیٰ و توفیقہ جامعہ سلفیہ اسلام آباد میں نئے تعلیمی سال کے آغاز پر مخصوص فی علوم الحدیث والافتاء زیر نگرانی فضیلۃ الشیخ حافظ **عبدالحمید ازہر** حفظہ اللہ تعالیٰ آغاز ہو رہا ہے جس میں کبار اہل علم حضرات تدریس کے فرائض انجام دیں گے دینی مدارس و جامعات کے فارغ التحصیل حضرات کیلئے استفادہ کا سنہری موقع ہے درخواستیں 27 اگست 2013 تک جمع کروا سکتے ہیں

مشائخ حضرات برائے تدریس

* فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر سمیل حسن حفظہ اللہ * فضیلۃ الشیخ ابراہیم خلیل الفضلی حفظہ اللہ
* فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر حافظ محمد انور حفظہ اللہ * فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر اسماعیل محمد امین حفظہ اللہ

یاد رہے کہ
آٹھویں سال میں پڑھنے والے طلباء کو
ماہانہ وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔

مشائخ حضرات برائے توسیعی محاضرات

اس سال جامعہ میں بخاری شریف پڑھنے
والے بیرونی طلباء کو خصوصی طور پر داخلے کی
اجازت دی جارہی ہے۔

فضیلۃ الشیخ پروفیسر ڈاکٹر فضل الہی حفظہ اللہ • فضیلۃ الشیخ حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ • فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر فریح الرحمن القرشی حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد عارف حفظہ اللہ • فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبدالقادر گوندل حفظہ اللہ • فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر صفی اللہ حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ • فضیلۃ الشیخ رشاد الحق اثری حفظہ اللہ • فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر حامد عبداللہ القریشی حفظہ اللہ الریاض

نوٹ داخلہ تحریری امتحان اور انٹرویو کی بنیاد پر ہوگا (ن شاہ)

حافظ شیخ محمد شفیق صدر و اراکین جامعہ سلفیہ ٹرسٹ

الداعی الی الخیر

H-8/1 اسلام آباد 051-4432271-2, 0321-5745096

دعائے نیم شبی

متاعِ ذوقِ ایمانی عطا کر	شعور و فہم قرآنی عطا کر
دلوں کو نورِ ایمان سے جلا دے	جبینوں کو درخشانی عطا کر
تڑپ جس درد سے ہو دل میں تیری	مجھے وہ دردِ لافانی عطا کر
بہ ہنگام سحرِ قلب و نظر کو	بہارِ اشک افشانی عطا کر
الہی! شبِ گزیدہ عصرِ نو کو	فروغِ صبحِ فارانی عطا کر
سحر کی پاک دامانی سے پہلے	نظر کو پاک دامانی عطا کر
سکونِ قلزمِ ایمان کو پھر	خروشِ موج و طغیانی عطا کر
بڑھا کچھ اور لو شمعِ حرم کی	اندھیروں کی فروزانی عطا کر
خداوند! میرے قلبِ حزیں کو	گداز و سوزِ ایمانی عطا کر
تقاضا ہے مری تشنہ لبی کا	مجھے صہبائے عرفانی عطا کر
سرِ اقلندہ مسلمان ہے جہاں میں	اسے اوجِ سلیمانی عطا کر
تو میرے پیکرِ فکر و نظر کو	جمالِ افروزِ تابانی عطا کر
یہ میری مختصر سی آرزو ہے	مسلمان کو مسلمانی عطا کر
یہ تیرا بندہ عاصی ہے تابش	اسے فرمانِ غفرانی عطا کر

(تابشِ حجازی)